لکھنؤ

# تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

## علماء کی ذمّہ داریاں

آج زمانے کے خیالات اور دنیا کے واقعات میں اس تیزی سے تبدیلی ہو رہی ہے کہ ان کو جانے اور سمجھے بغیر آپ مسلمانوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ دنیا میں سیاسی اور اقتصادی خیالات ایسے چھائے ہوئے ہیں اور انقلاب کی گھڑیاں اس طرح پے در پے آرہی ہیں اور گذر رہی ہیں کہ ایک عالمِ دین کے لئے جس کو مسلمانوں کا خدمت گذار ہونا ہے، ان کو سمجھنا اور ان کے حل کی تدبیر سوچنا ضروری ہے، صرف اعراض اور تغافل سے آپ ان مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ آپ کے توجہ نہ کرنے سے نہ دنیا اپنے فاعلے کو بدل سکتی ہے اور نہ زمانہ اپنے رُخ کو پلٹ سکتا ہے، مشکلات کا مقابلہ کرنا اور موجودہ جدّوجہد میں مناسب حصّہ لینا اور ملک وقوم کی زندگی میں مسلمانوں کے مناسب مقام حاصل کرنے کی کوشش کرنا بھی ایک عالمِ دین کا فرض ہے۔

آج کل ہمارے علماء کا کام صرف پڑھنا پڑھانا، مسئلہ بتانا، اور فتویٰ لکھنا سمجھا جاتا ہے، لیکن اب وقت ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے پچھلے سبق کو پھر دُہرائیں، اُن کا کام صرف علم و نظر تک محدود نہیں بلکہ عمل و جدّوجہد اور علمی خدمت بھی انکے منصب کا ایک بہت بڑا فرض ہے، ہر آبادی میں جہاں وہ رہیں وہ ان کی کوشش و خدمت سے آباد رہے، وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا وہاں کے نادانوں کو سمجھانا، وہاں کے غریبوں کی مدد کرنا، وہاں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، وہاں کے امیروں کو حق کا پیغام سُنانا، وہاں کے معذوروں کی خدمت کرنا، وہاں کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا، مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا، اُن کو دنیا کے حالات سے باخبر کرنا، اور اپنے علم و عمل کی ہر کوشش سے ان کو فائدہ پہونچانا ایک عالمِ دین کے فرائض ہیں۔

(مولانا سید سلیمان ندویؒ)

فی کاپی: ایک روپیہ
زرسالانہ: بتیس روپے
۱۰ ستمبر ۱۹۸۱ء

Regd No. LW/NP 56
Phone: 92948
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

بمبئی میں
خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
ڈرائی فروٹ برفی
کیک کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
320050
بیکری — ۲۲ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳

مجلس تشخیص و تجویز کو اپنی بیماری کے حالات لکھ کر طبی مشورہ مفت حاصل کیجئے

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
Abbas Alauddin & Co
WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS
44, Haji Building, S. V. Patel Road, Nall Bazar, BOMBAY. 3.
Phone SHOP: 862220 RESI: 378054
۴۴ - حاجی بلڈنگ، ایس وی پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳
اسپشل مکسچر
اسپشل ممری
ہوٹل مکسچر
سوداگر مکسچر
کپ برانڈ
گولڈن ڈسٹ
فلاور بی، او، پی
سوپر ڈسٹ

مشرق کے بہترین روح پرور عطریات جو اپنی بھینی بھینی خوشبو کے لئے مشہور ہیں
عطر مجموعہ ۹۶ رجسٹرڈ
ATTAR MAJMUA 96

عطر نسیم رجسٹرڈ
ATTAR NASEEM

حامی اینڈ کمپنی پرفیومرس جامع مسجد بمبئی ۲
HAMI & CO. Perfumers
Juma Masjid, BOMBAY-2 (INDIA)
PREMIER ADVERTISING

# تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۱۰ر ستمبر سنہ ۱۹۸۱ء ــــ ۱۰ر ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۲۱

**نرخِ تعاون**

| | |
|---|---|
| اندرونِ ملک | ــــ بیس روپے |
| فی پرچہ | ــــ ایک روپیہ |
| بیرونِ ملک، بحری ڈاک، جملہ ممالک، ہوائی ڈاک | ۵ پونڈ |
| ایشیائی ممالک | ــــ ۷ پونڈ |
| افریقی ممالک | ــــ ۸ پونڈ |
| یورپ و امریکہ | ــــ ۱۰ پونڈ |


اداریہ

محمود الازہار ندوی

## ایران کا موجودہ خلفشار

ایران میں صدر مسٹر محمد علی رجائی اور وزیر اعظم جواد باہنر کی ایک دھماکہ میں ہلاکت نے ایران کو مزید خلفشار میں ڈال دیا ہے، یہ دونوں آیت اللہ خمینی سے بہت قریب تھے اور گذشتہ جولائی کے الکشن میں منتخب ہو کر آئے تھے۔

اس واقعہ سے قبل ہی حکومت کے حامی اور مخالف دونوں اپنے اپنے موقف پر سختی سے قائم تھے اور یہ اعلان کر چکے تھے کہ اس قسم کی کارروائیاں ضرور ہونگی۔ ۲۳ر اگست کو اخبارات میں رائٹر کے حوالہ سے یہ خبر آئی تھی کہ مسٹر آیت اللہ خلخالی نے یہ بیان دیا تھا کہ حکومت مخالف گروپوں کے خلاف جنگ میں ایرانی حکومت کو کامیابی ہو رہی ہے اور مزید ۱۵ مخالفین کو سزائے موت دیدی گئی ہے نیز انھوں نے کہا تھا کہ حکومت اپنی راہ میں حائل ہونے والی تمام مشکلات اور رکاوٹوں پر قابو پانے کا عزم مصمم رکھتی ہے اور یہ اشارہ بھی دیا تھا کہ آئندہ سزائے موت میں کمی آجائے گی اسی کے ساتھ سابق صدر ابوالحسن بنی صدر کی پیشینگوئی اور دھمکی شائع کی حکومت کی مخالفت میں مزید اضافہ ہوگا اور میں مزاحمتی گروپوں کو منظم کر رہا ہوں اور توقع ہے کہ ایران کی موجودہ حکومت چند ماہ میں ختم ہو جائے گی۔ انھوں نے اس سے آگے کی بات امریکی ٹیلی ویژن کو ایک انٹرویو میں کہی کہ میرا سب سے اہم مقصد آیت اللہ خمینی کی حکومت کا تختہ پلٹنا ہے اور میں نے اس غرض سے ایران میں ایک خفیہ جماعت قائم کر دی ہے اور انھوں نے یہ اشارہ بھی دیا کہ اگر آیت اللہ خمینی کو ان کے انتقال سے قبل حکومت سے نہ ہٹایا گیا تو ایران میں خانہ جنگی اور طوائف الملوکی پھیل جائیگی۔

بنی صدر نے دھماکہ کی ذمہ داری آیت اللہ خمینی پر ڈالتے ہوئے یہ کہا کہ بم کا دھماکہ ان احکامات کا جواب ہے جو آیت اللہ خمینی جاری کر رہے ہیں اور مجاہدین خلق کے ایک ترجمان نے کہا کہ ہمارے ورکروں کو سزائے موت دئے جانے کی کارروائی کا یہی جواب ہے اور بنی صدر کے معزولی سے لے کر اب تک ہمارے ۶۰۰ ورکروں کو گولی ماری جا چکی ہے مگر اس کے ساتھ مخالف گروپ بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے وہ علماء اور ائمہ مساجد کو شکار بنا رہے ہے اور تہران میں حجۃ الاسلام سید مرتضیٰ آیت اللہ طباطبائی یزدی کو ان کی قیامگاہ کے سامنے گولی مار کر ہلاک کر دیا وہ تہران کی خوتی مسجد کے امام جمعہ تھے نیز تہران کے انسداد گناہ عدالت کے داخلی امور اور ڈائرکٹر حجۃ الاسلام سید ناصر جمال بن جمال کو ایک محافظ سمیت ہلاک کر دیا گیا۔

مذکورہ بالا واقعات اور بیانوں سے بخوبی رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ ایران دو گروہوں میں منقسم ہے اور دونوں ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے پر تلے نظر آتے ہیں جہاں سرکاری عہدیداروں کو گولی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے وہیں مخالف عناصر کا بھی صفایا کیا جا رہا ہے اور گذشتہ دنوں میں صرف دو دن کے اندر ۵۰ مخالفین کو تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا۔

ایران کے حالات و ذہنیت کو سمجھنے کے لئے ہم کو موجودہ صدی کی صرف آخری دو دہائیوں کا مطالعہ کرنا ہوگا کہ جن ملکوں میں عوام اور حکمراں طبقہ کے مابین جنگ اور کشت و خون کے بعد انقلاب آیا ہے ان کو کامیابی اس وقت تک نہ مل سکی جب تک انقلابی رہنما یا تو اقلیت میں آگئے یا اقتدار اور طاقت و قوت سے محروم کر دئے گئے۔ اس قسم کے تجرباتی دور سے ایشیا و افریقہ کے بہت سے ممالک گذر چکے ہیں۔ ماضی قریب میں بنگلہ دیش کو بھی اسی طرح کے صبر آزما حالات سے گذرنا پڑا اور شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے خاندان کے اکثر افراد کی موت کے بعد بھی ملک کو چین و سکون نہ مل سکا، یہاں تک کہ جنرل ضیاء الرحمٰن نے اقتدار پر قبضہ کر لیا، اسی طرح الجزائر کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جنگ آزادی کے سرکردہ لیڈر یوسف بن خدہ، اور فرحات عباس جنھوں نے آزادی کو منزل تک پہونچایا تھا اور جب ملک آزاد ہوا تو ان کا اقتدار سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا اور اقتدار پر ایسے لوگ قابض ہو گئے جو آزادی کے وقت جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تو وہ بھی ملک کی آزاد فضا میں سانس نہ لے سکے، اور اقتدار پر طاقت نے قبضہ کر لیا اور ان کو جیل میں ڈال دیا گیا، اسی طرح کے حالات، ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد پیش آ رہے ہیں۔ ملک کے تمام عناصر چاہے وہ علماء ہوں یا سوشلسٹ شاہ کو ہٹانے پر متفق تھے مگر جب اقتدار پر قبضہ اور زمام مملکت کو سنبھالنے کی نوبت آئی تو کوئی بھی اقتدار پر اپنی گرفت کو مضبوط نہ کر سکا اور ملک اختلافات کا شکار ہو گیا، جو کل معتمد تھے آج مبغوض ہیں مہدی بازرگان، قطب زادہ اور ابوالحسن بنی صدر آزادی کے قائد تسلیم کئے گئے مگر جب اقتدار مل گیا تو یہی لوگ ناپسندیدہ قرار دیدئے گئے اور انھیں عوام کے کٹ ردعمل کا سامنا کرنا پڑا، اگر خمینی نے بروقت مداخلت نہ کی ہوتی تو قطب زادہ جیل سے باہر آنے کے بجائے تختہ دار پر ہوتے، اسی طرح ابوالحسن بنی صدر ہیں جن کو مجبوراً راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔

ابتداء میں ایرانی حکومت شاہ کے دور کے ذہین اور لائق افراد کو موت کے گھاٹ اتارتی رہی اور جب وہ ان سے فارغ ہو گئی تو معصوم عوام کو اپنی توجہات کا نشانہ بنایا جس کے خلاف عوام اور مخالف گروپ دونوں کا ردعمل کھل کر سامنے آیا، اور انکی گولیوں کا حکومت کے اعلیٰ عہدیدار شکار ہونے لگے اس سے قبل جون میں ۷۰ افراد سے زائد کی جانیں ایک دھماکہ میں جا چکی ہیں اور اہم شخصیات کو نشانہ بنایا جا چکا ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گذرتا ہے جس میں مخالفین اور حکمراں طبقہ میں سے کسی نہ کسی کو موت کے گھاٹ نہ اتارا جاتا ہو، سرکاری ادارے بھی اس قتل میں حصہ لیتے ہیں سرکاری فائرنگ اسکواڈ کے ذریعہ ۹ افراد کی ہلاکت اور صرف (بقیہ ص ۱۵)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی کے سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔



کتاب و سنت سے

## وفاءِ عہد اور امانت داری

از: مولانا عبدالحی حسنی رح

آیات:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ (سورۂ انفال آیت ۲۷)

اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (نساء ۵۸)

خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔ (بنی اسرائیل آیت ۳۴)

اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ۔ (سورۂ نحل آیت ۹۱)

اور جب خدا سے عہد واثق کرو تو اس کو پورا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ (سورہ مائدہ آیت ۱)

اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (سورۂ صف آیت ۲ و ۳)

تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے خدا اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو امانت میں خیانت کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے اندر چار باتیں ہوں وہ نرا منافق ہے جس کے اندر ان میں سے ایک بات ہو، اس کے اندر نفاق کی ایک بات پائی گئی (وہ چار باتیں یہ ہیں) جب اسکے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے، بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، عہد کرتا ہے تو غداری کرتا ہے اور جب جھگڑتا ہے تو فحش باتیں بکتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دو باتیں بیان فرمایا ہے، ایک کو تو میں نے دیکھ لیا دوسری کا انتظار کر رہا ہوں، آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا، امانت لوگوں کے دلوں کی تہہ میں اتری ہے پھر قرآن کریم نازل ہوا تو قرآن کو سیکھا اور سنت سے واقف ہوئے، پھر آپ نے ہم سے امانت اٹھ جانے کے متعلق بات کی، فرمایا، آدمی سوئے گا اور بیدار ہوگا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی اور اس کا ایسا نشان ہوگا جیسے ہلکا جل جانے کا نشان ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر جب وہ سوئے گا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی اور اس کا نشان پھپھولے جیسا ہوگا جیسے تم اپنے پاؤں پر انگارہ لڑھکا لو اور پھپھولا پڑ جائے کہ تم اس کو پھولا ہوا دیکھو گے۔ اور اس میں کچھ نہ ہوگا پھر آپ نے ایک کنکری لی اور اپنے پائے مبارک پر لڑھکا لیا۔ الحدیث (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر بحرین کا مال آجائے گا تو میں تم کو ایسے ایسے دوں گا۔ بحرین کا مال نہ آیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، پھر جب بحرین کا مال آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان کرایا کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہو یا آپ پر اس کا قرض ہو، ہمارے پاس حاضر ہو، چنانچہ میں آیا اور میں نے ان سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اس طرح فرمایا تھا تو حضرت ابوبکر رضہ نے لپ بھر کر عطا کیا۔ میں نے اس کو شمار کیا تو وہ پانچ سو تھے پھر آپ نے مجھ سے فرمایا اس کا دوگنا اور لے لو۔ (متفق علیہ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اپنے بھائی سے وعدہ کیا اور نیت وعدہ پورا کرنے کی ہے اور پورا نہ کر سکا اور وقت مقررہ نہیں آیا تو یہ گنہگار نہ ہوگا۔ (ابو داؤد و ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو۔ اور میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان چیزوں سے دوچار ہو۔ جب بھی کسی قوم میں فحش کاری پھیل جاتی ہے اور علی الاعلان ہونے لگتی ہے تو اس قوم میں طاعون کی بیماری پھیل جاتی ہے اور ایسی تکلیف اور درد کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے اسلاف کے زمانہ میں نہ تھیں، اور جب ناپ تول میں کمی ہوگی تو قحط سالی، پریشان حالی اور بادشاہ وقت کے ظلم و جور کا نشانہ بنتے ہیں اور زکوٰۃ دینا بند کر دیتے ہیں تو بارشوں کا ہونا رک جاتا ہے، اگر جانور نہ ہوں تو بارش ہو ہی نہیں، اور جب وہ اللہ و رسول کے عہد کو توڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر دوسری قوم کے فرد کو دشمن بنا کر ان پر مسلط فرما دیتے ہیں، تو وہ انکے ہاتھوں تک کی چیزیں چھین لیتے ہیں اور جب تک ان کے پیشوا کتاب اللہ سے فیصلہ نہ کرینگے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اس میں من مانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو باہم شدید لڑائی جھگڑے میں ڈال دے گا۔ (ابن ماجہ)


بقیہ ص ۲


کو ہم سے بہتر سمجھے یا اس معاملہ میں ہم سے اچھی رائے رکھنے قاصر ہے اور یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس نے مسلمانوں کے اجتماعی کاموں کو ہمیشہ نقصان پہونچایا ہے۔

دوسروں کے احتساب سے پہلے اپنا احتساب اجتماعی زندگی کے ان تقاضوں کی تکمیل کا سب سے پہلا قدم ہے جو ہم سے پامال ہوتے رہتے ہیں۔ یہ محض اجتماعی کام کرنے والوں کے لئے نہیں بلکہ ہر مومن کے ضروری ہے، اور عین اسلام و ایمان کا تقاضا ہے۔


**نگرانِ اعلیٰ**

مولانا ابوالعرفان ندوی

**مجلسِ ادارت**

نذر الحفیظ ندوی

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

# اجتماعی زندگی اس کے تقاضے

نقطۂ نظر کے اختلاف کے باوجود (جو ایک بالکل فطری اور قدرتی چیز ہے) اجتماعی زندگی کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں، جن کو ہمیں ہر نقطۂ اختلاف پر ملحوظ رکھنا اور پورا کرنا چاہیئے یہ نہ صرف اسلام کی تعلیم اور شریعت کا حکم ہے، بلکہ فطرت سلیم اور انسانیت کی ان معروف و مسلم اخلاقی قدروں کا بھی مطالبہ ہے جن کو قرآن مجید میں "المعروف" سے بار بار تعبیر کیا گیا ہے، یعنی اچھائی کے ساتھ معقولیت و ہمدردی کے ساتھ، دستور کے مطابق۔

بدقسمتی سے ہم مسلمانوں میں یہ اوصاف ایک عرصہ سے مفقود ہوتے جا رہے ہیں، اگر ہم ان اوصاف کو دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو اس کو اصول پسندی اور قوت برداشت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

اسلام کی اجتماعی زندگی محض ظاہری رکھ رکھاؤ یا کسی ٹکنیک کا نام نہیں، اس میں ایک طرف اپنے عقیدہ اور اصول پر مضبوطی سے جمنے کی دعوت ہے اور دوسری طرف اجتماعی فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے اور قوت برداشت سے کام لینے کی بھی تلقین ہے۔

سورہ والعصر میں اسی حقیقت کو بہت آشکارا اور واضح طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے،

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

قسم ہے زمانہ کی، بیشک انسان خسارہ میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو وصیت کی حق بات کی اور ایک دوسرے کو وصیت کی صبر کی۔

صبر ایک بہت وسیع لفظ ہے جس کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے اور حقوق العباد سے بھی، اس کا اطلاق مختلف چیزوں پر ہوتا ہے، معصیت سے باز رہنا اور نفس کی لگام کو قابو میں رکھنا بھی صبر ہے، کڑوی بات سن لینا، یا اپنی بات نیچی کر لینا بھی صبر ہے، نکتہ چینی اور عیب جوئی سے پرہیز بھی صبر ہے۔ اپنے مزاج اور عادات کے خلاف کرنا بھی صبر ہے، غرض صبر کے ہزار پہلو ہیں، اور ہر شخص ذرا سی توجہ سے یہ محسوس کر سکتا ہے کہ اس کو کس موقع پر کس قسم کے صبر کی ضرورت ہے،

اجتماعی زندگی اور خاص طور پر ملت کی فلاح و بہبود، اسلام کی خدمت و حمایت اور انسانی ہمدردی کے کاموں میں صبر اور قوت برداشت کی جس قدر ضرورت پیش آتی ہے، اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اس کا تجربہ ہو چکا ہے لیکن گھر اور محلہ کی محدود اجتماعی زندگی کے نشیب و فراز اور اس کی دشواریوں اور الجھنوں کو سامنے رکھ کر بھی ہر شخص کسی نہ کسی درجہ میں اس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اجتماعی یا جماعتی زندگی کے ان پیچیدہ مسائل میں ہمارا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ کیا ہونا چاہیئے!

ہم میں سے ہر شخص مخصوص جذبات و خیالات رکھتا ہے، نہ صرف اس کا طرز فکر اور مزاج بلکہ طرز کلام اور طرز نشست و برخاست بھی ایک دوسرے سے جدا ہے، جب یہ ایک طے شدہ حقیقت اور قانون قدرت ہے تو ہمیں اولہ وہلہ یہ سوچ لینا چاہیئے کہ اس وادی میں قدم رکھنے کے بعد یہ اختلاف قدم قدم پر رونما ہوگا اور اس سے واسطہ بار بار پیش آئے گا۔

اس صبر اور قوت برداشت کی حد بھی اسلام نے مقرر کر دی ہے، مصالحت و تعاون اور تحمل و ضبط کن جگہوں پر جائز ہے اور کن جگہوں پر ناجائز، وہ دائرہ کیا ہے جس میں ہم کو اپنے مسلک یا اپنے موقف سے سر مو انحراف نہ کرنا چاہیئے، ہمیں کس جگہ جمنا چاہیئے اور کس جگہ نہ جمنا چاہیئے، ان سب چیزوں کے لئے تواصوا بالحق کی روشنی قرآن مجید نے ہمارے ہاتھوں میں دے دی ہے، جہاں حق و صداقت، اصول و مبادی و بنیادی حقیقتوں اور سچائیوں کے مجروح ہونے کا خطرہ ہو، وہاں اپنے موقف پر اس طرح ثابت قدم رہنا چاہیئے کہ کوئی دباؤ یا ترغیب یا فریب ہم کو متزلزل نہ کر سکے، لیکن اگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس اختلاف کے نتیجہ میں یہ بنیادی اصول و حقائق نہیں، بلکہ ملت کا مفاد مجروح ہونے کا خطرہ ہے تو ہمیں اپنے موقف اور طرز عمل کو بدلنے میں ادنیٰ تردد بھی نہ ہونا چاہیئے، خواہ اس سے خود ہمارا مفاد مجروح ہو رہا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا مشہور واقعہ اس مسئلہ میں ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے، حضرت علیؓ اس وقت تک یہودی پر حملہ آور رہے جب تک ان کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ حق کے لئے لڑ رہے ہیں، لیکن جب اس نے ان کے منھ پر تھوک دیا تو قدرتی طور پر ان کو بہت غصہ آیا، لیکن اسی غصہ سے ان کو یہ احساس ہوا کہ اب وہ اس کو قتل کریں گے تو اپنے نفس کے لئے کریں گے، چنانچہ انہوں نے یہ کہہ کر اس کو چھوڑ دیا کہ پہلے میں حق کے لئے انتقام لے رہا تھا، لیکن اگر اب میں انتقام لوں گا تو وہ نفس کے لئے ہوگا۔ اس لئے میں تجھ کو چھوڑتا ہوں، حق اور نفس کی یہ سرحدیں یا لکیریں ہمیں اپنے اجتماعی کاموں میں بارہا ملتی اور گڈمڈ ہوتی نظر آئیں گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فاصل حدیں یا لکیریں خلط ملط نہیں ہوتیں بلکہ فراست ایمانی کی کمی کی وجہ سے ہم اس حد فاصل کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے۔

اگر ہم محض اس آیت کو مدنظر رکھیں اور اس کو اپنی زندگی اور جدوجہد کا شعار بنا لیں۔

عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم۔

ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بہتر سمجھو اور وہ تمہارے لئے بری ہو۔

تو ہمارے معمولی گھریلو مسئلوں اور روزمرہ کے معاملات سے لے کر بڑے بڑے اختلافی اور سیاسی مسائل خوش اسلوبی سے حل ہو سکتے ہیں۔

اختلاف اسی وقت بری شکل اختیار کرتا ہے جب اغراض سے اغراض ٹکراتی ہیں، اگر اغراض کا یہ حصہ اس سے نکال دیا جائے تو ان سارے اختلافات کا خود بخود خاتمہ ہو جائیگا جو ملت اسلامیہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں اور اس کی اصلاح اور پیش رفت میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئے ہیں۔

دوسروں کی خوبیوں کو پہچاننا ایک فن ہے اور ان کا کشادہ دلی سے اعتراف کرنا اس سے بڑا فن، عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد ہمیں اس فن پر ریاض کی ضرورت ہے تاکہ تعاون کی راہیں زیادہ سے زیادہ ہموار ہو سکیں، اس میں شک نہیں کہ اس وقت پورا عالم اسلام ان اختلافات کا شکار ہے لیکن ہندوستان کی وہ مظلوم ملت جو مشترکہ مفاد میں اس طرح جکڑی ہوئی ہے کہ اس میں تفریق کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں سب جماعتیں اور ادارے اخبار اور رسالے ایک کشتی کے سوار ہیں اور سب کو ایک لاٹھی سے ہانکا جا رہا ہے جہاں دینی و سیاسی قیادتوں کو مشترکہ مسائل کا سامنا ہے اور جہاں نئی اور تازہ دم قیادت اور ملت کو نئی راہوں اور نئی منزلوں سے روشناس کرنے کی دعوت بے حد قوت برداشت استقامت اور فراخدلی چاہتی ہے وہاں انفرادی و شخصی اختلافات اور ذوق و مزاج کے فرق، نیز مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کو ساتھ لے کر کام کرنے کا فقدان، مختلف صلاحیتوں اور قابلیتوں کے افراد کا عدم اتحاد وقتی اور جذباتی مسئلوں پر انتہائی پسندی، اپنی رائے اپنے فیصلہ بلکہ اپنی خواہش، اپنے ذوق اور اپنے مزاج پر ضرورت سے زائد اعتماد، دوسروں کی رائے کو نظر انداز کرنے، یا ناقابل التفات سمجھنے کا رویہ، اور اپنے نقطۂ نظر کو پتھر کی لکیر سمجھنا ہماری اجتماعی زندگی کی وہ کمزوریاں ہیں جو اب روز روشن کی طرح عیاں ہیں، اور ان سے ملت کے اہم ترین کاموں کو سخت نقصان پہونچ رہا ہے۔

یہ وہ مرض ہے جس میں کم و بیش ہم سب مبتلا ہیں، ہم سب تحت الشعور میں یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقت کی آخری تصویر اور مسئلہ کی اصل گرہ ہمارے ہاتھ میں ہے اور دوسرا اس مسئلہ

(بقیہ ص ۲ پر)



# نئے تعلیمی سال کے آغاز پر طلبائے دارالعلوم سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خطاب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حسب سابق تعلیمی سال کے آغاز میں طلبہ سے خطاب فرمایا اور ان کو دارالعلوم میں آنے کا مقصد بتایا اور یہ احساس دلایا کہ اب وہ اپنے اس عزم کی تجدید کریں کہ کس مقصد کے لئے آئے ہیں، حضرت مولانا کی یہ تقریر شاہ ابو وجاہت تسنیم عثمانی نے ٹیپ ریکارڈ سے نقل کر کے دی ہے ہم انکے اس تعاون کے شکر گزار ہیں۔

حضرت مولانا نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا،

میرے عزیزو! آپ لوگ یہاں پر اس لئے جمع ہوئے ہیں کہ آپ کے اندر اس بات کا احساس و شعور پیدا ہو کہ آپ یہاں کیوں آئے اور تعلیمی سال کے شروع ہونے کا کیا مطلب ہے اور آپ کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور یہاں کے قیام میں کیا فوائد ہیں بعض وقت اگر خیال نہ کیا جائے اور آنے کے مقصد پر توجہ نہ دی جائے تو کیا خطرات ہیں اور کیا نقصانات ہیں۔ اس لحاظ سے یہ دن آپ کی زندگی کا بہت اہم دن ہے ہم آپ سامنے کی چیز تو دیکھ سکتے ہیں لیکن دور کی نہیں، لیکن اگر اللہ تعالیٰ بصارت کی نہیں بصیرت کی آنکھ کھول دیں تو آپ دور کی چیزیں بھی دیکھ سکتے ہیں، کاتب تقدیر اعمال نامہ لئے کھڑے ہیں اور انتظار میں ہیں آپ کے چہرے پر ان کی نظر نہیں ہے بلکہ آپ کے دلوں پر اور دلوں کے ارادہ پر ان کی نظر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بھی ایسی نظر دیتا ہے جس سے وہ اندر کی چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ کاتب تقدیر آپ کے دلوں کو پڑھ رہے ہیں آپ کے دماغوں کی سلوٹوں کو دیکھ رہے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ وہ دیکھیں کہ آپ کے اندر کیا ارادہ اور کیا عزم پیدا ہوا اور اس کو نوشتۂ تقدیر میں لکھیں گویا یہ آپ کی زندگی کا بہت اہم اور نازک دن ہے، فیصلہ کن دن ہے اور ایک طرح سے گویا آپ کی معنوی پیدائش کا دن ہے، انسان کی پیدائش طبعی طور پر ایک دفعہ ہوتی ہے لیکن اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ جاری رہتا ہے پیدا ہونے کے بعد بھی لوگ مرجاتے ہیں اور پھر زندہ ہوتے ہیں، پھر مرتے ہیں پھر زندہ ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ بعض اوقات انسان کی اس دنیا سے جدائی کے وقت تک جاری رہتا ہے جسے ہم موت کہتے ہیں او من کان میتا فاحییناہ، وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات۔

میرے عزیزو! معلوم نہیں اس وقت کتنے لوگوں کی نئی عمریں شروع ہو رہی ہیں،

آپ میں سے بہت بڑی تعداد تو نئی ہوگی، پرانے طالب علم کم آئے ہیں لیکن ایک تعداد ان طلبہ کی ہوگی جو دو سال تین سال چار سال اور بعض چھ چھ۔ سات سات سال سے پڑھ رہے ہیں لیکن بڑی تعداد غالباً ان کی ہے جو اسی سال آئے ہیں اور ابھی کسی کو آئے دو دن ہوئے ہیں، کسی کو چار دن ہوئے ہیں، زیادہ تر وہی میرے مخاطب ہیں کہ تمہاری عمر اب شروع ہو رہی ہے اور کاتب تقدیر تمہارے متعلق لکھنے والا ہے اور تمہارے فیصلہ کا منتظر ہے تمہاری قسمت کو دیکھ رہا ہے کہ تم نے اپنے بارے میں اگر صحیح فیصلہ کر لیا اور اللہ نے تمہیں توفیق دی اور تم کو چاہنے والی ماؤں کی جنھوں نے تم کو رخصت کیا اور تمہارے والدین کی دعائیں اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو گئیں اگر تمہارے بزرگوں کے نیک اعمال جو کبھی انھوں نے کئے تھے ان میں کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ لیا تو پھر تمہاری صحیح عمر آج سے شروع ہو رہی ہے اور تم اس وقت گویا دنیا میں قدم رکھ رہے ہو، نئی زندگی میں قدم رکھ رہے ہو اور یہ بہت کچھ تمہارے اختیار میں ہے، میں کہتا ہوں ساری دنیا کی سلطنتیں، ساری دنیا کے ادارے، ساری دنیا کے دانشور، تمہارے، سارے خیر خواہ، تم پر جان چھڑکنے والے اگر یہ چاہیں کہ تم کام کے آدمی بن جاؤ، تم پڑھ لکھ کر آدمی بن جاؤ، عالم بن جاؤ اور تم نہ چاہو تو وہ سب ناکام رہیں گے اور اگر تم چاہو کہ تم کام کے آدمی بنو اور تم یہاں سے کچھ سیکھ کر نکلو تم اپنے بھی کام آؤ اور دوسروں کے بھی کام آؤ اور اللہ کے دین کے بھی کام آؤ تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اس سے روک نہیں سکتی اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں یہ پورا کارخانۂ قدرت جو اللہ نے بنایا ہے پورا عالم، ساری کائنات، تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہے، ہوا، پانی اور ہوا میں اڑنے والے پرندے اور پانی میں تیرنے والی مچھلیاں سب تمہارے لئے دعائیں کریں گی اور حدیث میں آتا ہے یہ کوئی قیاسی بات نہیں ہے کہ طالب علم کے لئے معلم الناس الخیر کے لئے جو لوگوں کو علم کی تعلیم دیتا ہے نیک بات کی، حق بات کی تعلیم دیتا ہے، مچھلیاں پانی میں اور چڑیاں اپنے گھونسلوں میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے پر بچھاتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو علم حاصل کرنے کے لئے راستہ طے کرتے ہیں اور گھر سے نکلتے ہیں تو سارا انحصار تمہارے فیصلہ پر ہے اور دیکھو میں تمہیں بتا دیتا ہوں اور اس سے پہلے بھی کہا ہے کہ مدرسہ میں سارے انتظامات ہیں اور نگرانی بھی ہے اور عہدہ دار بھی ہیں اور درجے بھی اپنے اپنے وقت پر شروع ہوتے ہیں اپنے وقت پر ختم ہوتے ہیں، لائق اساتذہ بھی ہیں، شفیق اساتذہ بھی ہیں لیکن تم اگر ان کو ناکام بنانا چاہو مدرسہ کو ناکام بنانا چاہو تو بہت آسانی کے ساتھ بنا سکتے ہو اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی، کوئی کچھ نہیں کر سکے گا تم سب کو ناکام بنا سکتے ہو اور سب کو ہرا سکتے ہو، ہم سب ہارے تم جیتے، اگر تم فیصلہ کر لو کہ ہم مدرسہ میں نہ پڑھیں، نہ لکھیں، نہ کام کریں اور ہم پورا سال گزار دیں تو تم کامیاب رہو گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم پاس بھی ہو جاؤ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امتیازی نمبروں سے پاس ہو مگر تمہارے پلے کچھ نہ پڑے گا، ایسے ایسے ہم نے اللہ کے شیر دیکھے ہیں اپنے زمانہ میں بھی اور ہر زمانہ میں کہ انھوں نے پڑھ کر نہیں دیا۔ استادوں اور ان کے والدین نے ان کے سامنے سر کاٹ کر رکھ دیا اور سب سمجھتے رہے کہ یہ پڑھ رہے ہیں لیکن دامن جھٹک کر وہ یہاں سے ایسے گئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے چڑیا سمندر میں چونچ ڈالتی ہے اور اس کی چونچ میں پانی کا قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا، ایسے ان پر گویا چھینٹ بھی نہیں پڑی، علم کی چھینٹ بھی نہیں پڑی اور دامن بھی ان کا تر نہیں ہوا۔ کہنے والے نے کہا ہی تھا کہ "بازی گوئی کہ دامن تر مکن" ایسے ہی بعض لوگ ہیں کہ دریا عبور کر جائیں اور دامن تر نہ ہو۔

ایک طریقہ یہ بھی ہے اور ایک طریقہ یہ ہے کہ ساری رکاوٹیں ہیں لیکن اندر کا فیصلہ یہ ہے کہ ہم کو علم حاصل کرنا ہے، کام کا آدمی بننا ہے ہم کو اپنے لئے بھی اپنے خاندان کے لئے بھی اور اپنی ملت کے لئے بھی اور خلق خدا کے لئے ہم کو ایک کارآمد آدمی بننا ہے کچھ سیکھ کر کے جانا ہے اپنی نجات کا بھی انتظام کرنا ہے اور اگر اللہ توفیق دے تو دوسروں کی کشتی بھی پار کرنی ہے اور کنارے لے جانی ہے کتنے ایسے آدمی تھے کہ پڑھتے تھے کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا جب بالکل ان کی جان پر بن آتی تھی اور غشی کھانے کے قریب ہو جاتے تھے تو کسی نان بائی کی دکان پر جا کر کھڑے ہو جاتے تھے ذرا فاصلہ پر تاکہ یہ نہ معلوم ہو کہ بھیک مانگتے ہیں اور خوشبو جو ان کی ناک میں آتی تھی گرم گرم روٹیوں کی تنور سے نکلتی تھیں یا توے پر چڑھی ہوتی تھیں اسی سے تقویت ان کی روح کو حاصل ہوتی تھی، اور کتنے ایسے واقعات ہیں کہ جو عقل میں آنے والے نہیں ہیں لیکن واقعات ہیں اور ہر زمانہ میں ایسی نظیریں ملتی رہی ہیں۔ میرے عزیزو! اس وقت آپ کو دو فیصلوں میں سے ایک فیصلہ کرنا ہے اور اسی فیصلہ پر سارا انحصار ہے کہ آپ کو پڑھنا ہے وقت کو کارآمد بنانا ہے اور یہاں آنے کو وصول کرنا ہے اور یہاں سے کام کا آدمی بن کر کے جانا ہے تب تو پھر ذرہ ذرہ اور چپہ چپہ تنکا تنکا آپ کی مدد

کے لئے دعا کرنے کے لئے تیار ہے اور سارے انتظامات اسی لئے ہیں اور پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کھانا خراب ملے خدانخواستہ صحت خراب ہو، آپ کو کچھ تکلیف ہو، کوئی بیماری ہو کوئی چیز بھی آپ کا راستہ روک نہیں سکتی اور پھر آپ اللہ تعالیٰ کی مدد دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و رحمت کا دروازہ کھل جائیگا مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر بالکل جنت کی صفت بیان کی گئی ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت کے مزے چکھا دیتا ہے اور جنت کے مزے ان کو اسی دنیا میں آنے لگتے ہیں کہ عالم کو مسخر کر دیتا ہے" ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمٰن ودا"۔ اپنے نام بندوں کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے، گویا کائنات مسخر ہو جاتی ہے لیکن آپ نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ ہمیں یہاں محنت کرنی ہے اور ہمیں یہاں کے آنے کو وصول کرنا ہے، اپنے والدین کو مایوس نہیں کرنا ہے اپنے بزرگوں اور سرپرستوں کا دل نہیں دکھانا ہے، اپنے استادوں اور یہاں کے منتظمین کو دھوکہ نہیں دینا ہے، اپنے نفس کو دھوکہ نہیں دینا ہے، ہمیں کچھ کرنا ہے تو پھر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ تم سے بڑھ کر خوش نصیب اقبال مند کوئی نہیں، تم دنیا کے فاتح ہو، تمہارے لئے یہ عالم مسخر ہے اور کوئی بڑی سے بڑی دنیا کی مادی طاقت تمہیں نقصان نہیں پہونچا سکتی اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کا فیصلہ فرما لیا اور تمہیں قبول کر لیا، اور تم قبول ہو گئے پھر تمہیں کوئی دربار سے نکال نہیں سکتا اور اگر تم نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ہمیں محنت کرنا ہے، وقت کو ٹھکانے لگانا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہے اور تھوڑا جبر کرکے اور دل مار کر کچھ محنت کرنی ہے تو میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا اور علوم کے جتنے بانی ہیں، امام رازی، امام غزالی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ دہلوی ایسے حضرات بھی دنیا میں دوبارہ زندہ ہو کر یہاں آ جائیں اور تمہیں پڑھانے کے لئے بیٹھ جائیں تو وہ بھی تمہارے پڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور تم ان سے بھی

ایسے ہی بے فیض اٹھو گے جیسے کسی معمولی سے معمولی شخص کے پاس سے۔

عزیزو! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ وقت گذاریں اور کچھ نہ حاصل کریں اور یہ بھی ہو سکتا ہے آپ وقت گذاریں اور سب کچھ حاصل کر لیں، اور یہ بھی ہے کہ آپ تھوڑی تکلیف اٹھا لیں، دل مار لیں اور آنکھوں پر پتھر رکھ لیں، دل پر پتھر رکھ لیں پھر اس کے بعد آرام ہی آرام ہے، عمر بھر آرام ہے، پھر اس کے بعد ہر بات میں آپ کی جیت ہر بات میں آپ کی فتح، کوئی مشکل ہی نہیں۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ آپ دل نہ مار سکیں، محنت نہ کریں اس کے بعد قدم قدم پر مشکل، یہاں تو آرام کر لیں لیکن عمر بھر ہر جگہ آپ کو شرمندہ ہونا پڑے گا ہر جگہ آپ کو منھ چھپانا پڑے گا، ہر جگہ آپ یہ چاہیں گے کہ کوئی آپ کو [illegible] نہ لے، کوئی آپ کو آواز نہ دے، آپ کی طرف کوئی دیکھے نہیں، کسی کو پتہ نہ چلنے پائے کہ آپ بھی مجلس میں ہیں، آپ کو یہ نہ کہے کہ مسئلہ بتا دیجئے، آپ کو کوئی یہ نہ کہے کہ کتاب پڑھ کر سنا دیجئے اس عربی عبارت کا مطلب بتا دیجئے۔ ہر جگہ چور کی طرح آپ اپنا منھ چھپانے کی کوشش کریں گے اور ہر جگہ معلوم ہوگا کہ جیسے آپ نے کوئی قصور کیا ہے، ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ تھوڑے دن آرام کر لیا پھر عمر بھر آنکھیں ملانے کے قابل نہیں رہے کسی بڑے آدمی سے آنکھیں نہیں ملا سکتے کسی بڑی مجلس میں بیٹھنے کی ان کو تاب نہیں ہر جگہ چھپتے پھرتے ہیں کہیں ان کی قلعی نہ کھل جائے اور جن لوگوں نے محنت کر لی ان کا حال یہ ہے کہ شیر ہو گئے کہیں بھی بڑی سے بڑی مجلس بادشاہوں کی مجلس ہو، بڑے سے بڑے چوٹی کے عالموں کی مجلس ہو، علمی مذاکرہ ہو، بحث ومناظرہ ہو، کوئی تہذیبی مجلس ہو، کوئی علمی مجلس ہو، کہیں بھی ان کی آنکھیں نہیں جھپکتیں اور ان کو شرمانے کی یا منھ چھپانے کی ضرورت نہیں، خود انتخاب کرو کہ یہ اچھا کہ وہ اچھا، تھوڑے دن کی محنت عمر بھر کا آرام یا تھوڑے دن کا آرام عمر بھر کی شرمندگی۔ میرے عزیزو! ابھی تعلیمی سال

شروع ہوا ہے اس میں ایک تو دھوکہ دینے کا اپنے نفس کے ساتھ نفاق کرنے کا معاملہ ہے اور بدترین منافق وہ ہے جو اپنے نفس کے لئے نفاق کرتا ہے اپنے نفس کا بھی وہ مخلص نہیں ہوتا اپنے نفس کے لئے سچ نہیں بولتا یہ بدترین نفاق ہے، اگر نفاق سے آپ کو نفرت ہو اور عہد کریں کہ نفاق اپنے نفس کے ساتھ نہیں کریں گے ہم واقعی محنت کرینگے واقعی وقت سے فائدہ اٹھائیں گے۔ تو پھر آپ کی زندگی کی کامیابی کے لئے آپ کی محنت کی مقبولیت کے لئے، دین کے لئے، ملت کے لئے، دنیا کے لئے، آپ کے مفید اور نافع بننے کی ضمانت ہے قرآن میں ضمانت ہے، حدیث میں ضمانت ہے آپ اپنے ساتھ انصاف کیجئے، اپنے خیر خواہ بن جائیے آپ کو اپنے نفس کے ساتھ محبت ہونی چاہئے کہ ہم کچھ کام کے آدمی بن جائیں، ہمارا وقت کارآمد ہو، محنت کر لیں اور تھوڑے سے جو یہاں قوانین وضوابط ہیں ان کی پابندی کر لیں جن سے ہمارے نظام صحت میں کوئی بہت بڑا اختلاف، کوئی بہت بڑی تبدیلی نہیں پیدا ہو گی کہ ہمارا نظام صحت درہم برہم ہو جائے اور بیمار پڑ جائیں۔

بس سیدھی سی بات یہ ہے کہ آپ اپنے وقت کو ضائع نہیں کریں گے، ہم یہاں کے ضوابط کی پابندی کریں گے، ہم یہاں کے ماحول سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے، اور میں کہا کرتا ہوں کہ اس دور میں بھی جس کو انقلابی عہد کہا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ بہت پرفتن دور ہے اور اسمیں علم اور دین کی کوئی قیمت نہیں۔ ہر دور کی ہر زبان میں تقریباً، یہ بڑا خراب زمانہ ہے کلجگ ہے اور اس میں اصل علم کی قدر نہیں، بزرگوں نے دکھا دیا، ثبوت دیدیا کہ زمانہ کس طرح سر جھکاتا ہے کس طرح سجدہ ریز ہوتا ہے بڑی بڑی سلطنتیں کس طرح سر خم کر دیتی اور اپنے خزانے اور اپنے سر قدموں میں ڈال دیتی ہیں اور ڈال دینے کے لئے تیار ہوتی ہیں انھوں نے ثابت کر دیا کہ آج بھی دنیا ہماری محتاج ہے اور آج بھی ہماری

خوشامد کرنے کے لئے سرکاریں اور سلطنتیں تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جہاں تک معاملہ کا تعلق ہے آپ کا معاملہ خدا کے ساتھ صحیح ہو جائے۔

میں جب پڑھایا کرتا تھا تو اس زمانہ میں اس کا عملی تجربہ ہوا میں طالب علموں سے باتیں کرنے کا عادی تھا سوالات کرتا تھا، خیالات معلوم کرتا تھا مانوس کرتا تھا حالات دریافت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے درجہ میں پوچھا کہ بتاؤ کہ تم کس لئے پڑھ رہے ہو تمہاری کیا نیت ہے ان میں سے کئی طالب علموں نے جو بیچارے سیدھے تھے، کہا سچ کہتے ہیں مولانا ہم نے ابتک اس کے متعلق سوچا ہی نہیں آج پہلی مرتبہ ہمارے سامنے یہ سوال آیا، ہمارے ذہن میں یہ تھا بھی نہیں کہ یہ سوچنے کی بات ہے، ماں باپ نے بھیجا چلے آئے پڑھ رہے ہیں کوئی برا کام تو نہیں ہے صحیح کام کر رہے ہیں، ہم سوچتے ہی نہیں کہ ہم کیوں پڑھ رہے ہیں اور پڑھنے سے فائدہ کیا ہے اور پڑھ کر ہم کیا کرنا چاہتے ہیں، سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے غور ہی نہیں کیا تو ہمیں جو ڈر ہے اپنے عزیزوں سے اور بھائیوں سے کہ کہیں اتنی بڑی تعداد میں ایسے لوگ نہ ہوں، ایسے بھائی نہ ہوں جنھوں نے سرے سے سوچا ہی نہ ہو کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنی نیت درست کر لیجئے، یہیں بیٹھے بیٹھے نیت کر لیجئے نیت کرنے کے لئے کوئی زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں اپنے دل کو چند سکنڈ کے لئے متوجہ کیجئے اپنی طبیعت کو اور دل سے یہ کہئے کہ اے اللہ ہم یہاں تیری رضا حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں، تیرا علم دین سیکھنے کے لئے آئے ہیں تاکہ تیرے احکام ہم کو معلوم ہو جائیں، تیری شریعت کا علم حاصل ہو جائے، قرآن مجید سمجھنے کے قابل ہو جائیں، حدیث شریف سمجھنے کے قابل ہو جائیں، مسئلے مسائل بتانے کے قابل ہو جائیں، کتابیں سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور ہم اسی ذریعہ سے اپنی نجات کا سامان فراہم کریں، ہمیں معلوم ہو کہ خدا کے عذاب سے کس طرح بچ سکتے ہیں اور کس طرح ہم جنت کے استحقاق اور تیری خوشنودی حاصل کرتے ہیں اور دوسرے



اس کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیں کہ ہمیں یہاں شریف آدمیوں کی طرح، شریف بچوں کی طرح، شریف گھرانوں کے نونہالوں کی طرح شریف لوگوں کی طرح رہنا ہے، یہاں کام کا آدمی بننے کے لئے آئے ہیں، پڑھنے کے لئے آئے ہیں، کچھ سیکھنے کے لئے آئے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو پہچاننے کے لئے ان کی صحیح معرفت حاصل کرنے کے لئے ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ تمہاری کتنی مدد فرماتا ہے اور قدم قدم پر تمہاری کس طرح سے مدد ہوتی ہے اور پھر تم یہاں سے بن کر نکلو گے میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور بھی لوگ ہیں الحمد للہ مجھے زمانہ کے انقلاب کا قطعاً کوئی شکوہ نہیں، زمانہ کوئی چیز نہیں، زمانہ کا انقلاب کوئی چیز نہیں، یہ پست ہمتوں کی اور حیلہ بازوں کی باتیں ہیں۔ اللہ خالق ہے اور ابدی ہے اس کی صفات بھی ابدی ہیں قدیم ہیں اور ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ جب رازق ہے تو ہمیشہ سے رازق ہے ہمیشہ رازق رہیگا جب وہ اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہے اور اس کا بنانے والا ہے الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔ وہ اپنے بندوں کو پہچاننے والا ہے وہ اپنی مخلوقات کو نہ پہچانتا ہوگا؟ اور اس نے رزق کا ذمہ لیا ہے وہ اپنے شکور کہتا ہے، وہ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا اور پہچانتا ہے اس کی قدر کرتا ہے اس کی پرورش فرماتا ہے، اس کو انعام عطا فرماتا ہے، خوشی کا اظہار کرتا ہے تو پھر اب کس بات کا ڈر ہے اور یہ سب نہ کرنے کی باتیں ہیں۔ ساری کمزوری ہمارے اندر ہے باہر نہیں — انسان کے اندر یہ کمزوری ہے کہ اس کے اندر کوئی چیز ہوتی ہے اور باہر کچھ اور۔ انسان اپنے کو ذلیل سمجھتا ہے تمام دنیا سے اس کو شکوہ ہوتا ہے کہ سب اس کو ذلیل سمجھتے ہیں حالانکہ کوئی اس کو ذلیل نہیں سمجھتا، اگر انسان اپنی عزت کرنا سیکھ لے اور انسان قابل عزت ہو تو اس کو کوئی بھی ذلیل نہیں سمجھ سکتا اور کسی سے اس کو شکایت کا موقع نہیں آئے گا۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا جب علم دین کی قدر نہ ہوئی

ہو آج بھی اس زمانے میں علم دین کی وہ قدر ہے جو دنیا میں کسی کی نہیں ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے واقعی علم دین دیا ہے ان کا تو عالم یہ ہے کہ بادشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے، بادشاہوں کو آنکھیں ملانے کا موقع نہیں دیتے۔

تم کس دین، کس علم کو حاصل کرنے کے لئے آئے ہو۔ تمہیں خبر ہے، تمہیں اگر خبر ہو جائے واللہ العظیم تو تم تاب نہیں لا سکتے، اگر تمہیں معلوم ہو کہ تمہیں کیا مرتبہ ملنے والا ہے، تھوڑی سی محنت کرو گے تمہیں کیا نصیب ہوگا۔ تم کیا چیز بن جاؤ گے کہ زمین پر تمہارے پاؤں نہ پڑیں گے تم میں کیا ہے اچھے اچھے عالی ظرفوں میں یہ ظرف نہیں ہے کہ اس کو برداشت کر سکے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب میں رکھا ہے، اس کو غیب میں رہنے دو، غیب کے سو سو پردوں میں رہنے دو، لیکن جب وقت آئیگا جبھی دیکھو گے،

برخود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہ تمام نہادہ اند

عزیزو! ہمت کرو، اسی وقت فیصلہ ہونا ہے کہ تم کیا ہو۔ یا تو سارے اسباب تمہارے لئے میسر ہیں، کسی بات کا شکوہ نہیں، نہ روزی کا شکوہ نہ عزت کا شکوہ نہ مسرت کا شکوہ نہ کامیابی کا شکوہ، تمہارے لئے سب کی ضمانت ہے اگر تم واقعی صاحب کمال بن جاؤ، محنت کر لو، ذرا سا دل مار لو۔ یہاں کھانا تمہارے گھروں کے برابر نہیں مل سکتا جو اس دھوکہ میں ہیں وہ اس دھوکہ کو دور کر لیں، تمہیں اپنے گھر جیسا آرام نہیں مل سکتا حالانکہ میں جانتا ہوں، بہت سے لوگوں کو جو بعض مرتبہ نخرے کرتے ہیں (دھان کرنا) مدرسوں میں نخرے کرتے ہیں، ان کے گھروں سے کہیں بہتر مدرسوں میں کھانا ملتا ہے۔ گھروں سے بہتر یہاں انکے رہنے کی جگہ ہوتی ہے لیکن انسان کی نظر یہی ہے۔ اس کے برعکس کہتا ہوں میں صاف کہتا ہوں مدرسہ کے ذمہ دار کی حیثیت سے گھر کا سا کھانا تمہیں نہیں ملے گا گھر کا سا آرام نہیں ملے گا، گھر کے جیسے حالات یہاں نہیں ملیں گے سب گزارہ کرو، اور اس کے تحمل ہو جاؤ کہ تھوڑی محنت کر کے

یہاں سے کامیاب ہو کر نکلو گے بس پھر کامیابی ہی کامیابی، فتح ہی فتح لکھی ہے پھر تو بس وہی ہے جس کو وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون۔ مجھ سے اگر کوئی کہے کہ کیا قرآن مجید میں کہیں عربی مدارس کے علماء اور طلباء کے متعلق کوئی ضمانت ہے اور کوئی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ تو میں کہوں گا کہ سورۂ الم سجدہ میں ہے، وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون۔ یہ قرآن مجید میں ہے اور ایک پیغمبر کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا ہے پیغمبر سے کہا گیا أانت یوسف قال انا یوسف وھذا اخی قد من اللہ علینا۔ یہاں پر یوسف علیہ السلام نے صاف کہہ دیا اور سورۂ یوسف کے قصہ میں آتا ہے اور لوگ اسے یوسف علیہ السلام ہی کا قصہ سمجھتے ہیں خصوصیت ان ہی کی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بالکل کلیہ ہے جیسے میں نے کہا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع

اجر المحسنین۔ بس تقوی اور صبر تب تو ایمان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہ تم جو دیکھ رہے ہو تم نے مجھے کہاں ڈالا تھا، میں کہاں پہونچ گیا، تم نے مجھے کنوئیں میں ڈالا تھا اور آج میں مصر کے تخت پر بیٹھا ہوا ہوں، تم آئے ہو میرے پاس ہاتھ پھیلائے ہوئے یہ کس بات کا نتیجہ ہے، انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین، ہم ان کو صرف مقتدی نہیں بلکہ حاکم بنا دیں گے۔ ہو تم اور مقتدی نہیں بلکہ امام بنا دیں گے جعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا، صبر کیجئے جو کھانا کو ملے کھاؤ جو سرد و گرم پیش آئے اسے برداشت کرو، زبان اور عادت کے اختلاف کو انگیز کرو اور تقوی و صبر سے کام اور اللہ سے تعلق پیدا کرو تو یقیناً اہل کمال بن جاؤ گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

بقیہ ص ۱۳

بن چکے ہوں۔ علوم جدیدہ کی چکا چوند وتلمیع انہیں متاثر نہ کر سکے۔ بلکہ ہر حال میں حق کی حمایت ان کا شیوہ ہو، اور دین کی صحیح تمثال پیش کرنا ان کا وطیرہ،

عام نصاب میں تو اس کی گنجائش مشکل ہے، لیکن ابتدا ایسی ہو کہ "تخصص" میں اس رخ پر تکمیل ہو سکے،

محولہ بالا گذارشات سے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت تو ظاہر ہو چکی ہے، مزید برآں ہماری دینی تعلیم اور دینی مدارس علوم نبوت کے وارث ہیں اور فرائض مرگانہ نبوت (تلاوت قرآن یعنی دعوت بالقرآن، تزکیہ وتعلیم کتاب وحکمت اس کی اصل میراث ہے، میراث نبوت کے کسی ایک جز کا فقدان یا کمی یا اس سے اہمال واعراض "دینی تعلیم" کی شایان شان نہیں، دین اور علوم دین کا بنیادی مقصد ہی للہیت ومعرفت ربانی، تعلق الٰہی واحوال مع اللہ، حب وخشیت رحمانی، دل کی اصلاح، باطن کی تعمیر، تزکیۂ نفس، اخلاص وتقوی، نسبت احسانی، یاد سبحانی، طلب وقرب رضائے حق، اعتماد واتکال

علی اللہ، تفویض وتوکل، زہد وقناعت اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔

اس مقصود حقیقی کی بازیافت، تلاش وجستجو آج کس حد تک ہے، اس کی سنگینی کا احساس اور اس کا مداوا وعلاج ہماری دینی تعلیم کا سب سے اہم مسئلہ ہے، ضرورت ہے کہ اہل دل حضرات کی صحبت اور محقق اہل حق صوفیہ کی کتابوں اور ملفوظات کا شوق و رغبت طلبہ کے دلوں میں پیدا کیا جائے۔ کہ تزکیہ کی راہ کشادہ ہو سکے،

ہمارے مدارس علوم دینی ودنیوی کے عظیم الشان ادارے بن جائیں، علوم جدیدہ وقدیمہ کے سمندر ہوں، علوم باطلہ کے ابطال کے مضبوط قلعے ہوں، لیکن اہل مدرسہ کے دل کمال یقین وایمان، معرفت وللہیت، اخلاص وتقوی، حب الٰہی، خشیت ربانی اور فکر آخرت وطلب رضائے حق سے سرشار نہ ہوں، تو کیا یہ مدرسے پھر کامل دینی مدارس کہلائے جا سکتے ہیں؟

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

# کعبۂ مقصود

از
مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

سنتے چلے آئے تھے اور کتابوں میں بھی بارہا پڑھا تھا کہ کعبہ تجلی گاہِ جلال ہے، یہاں تجلیات قہری کا زور ہے، روایتوں کا اثر دل میں بیٹھا ہوا تھا ہیبت و دہشت کا غلبہ تھا ہمت بار بار جواب دے رہی تھی اور دل یہ کہہ رہا تھا کہ سامنا کیونکر کیا جائے گا۔ بزمین کی زبان سے یہ مصرعہ بار بار سنا تھا کہ۔

تو مرا خراب کردی بہ ایں سجدۂ ریائی

دل کھٹک رہا ہے، ذرا کان لگا کر سننا کہیں یہ ندا اس وقت اسی مسجد حرم کی سرزمین سے تو نہیں آرہی ہے شاعری کی دنیا میں بارہا یہ آواز کانوں میں پڑ چکی تھی،

چو بطوف کعبہ رفتم بحرم رہم ندا دند
تو بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

کیا آج اور اس وقت یہ شاعری حقیقت بن کر رہے گی؟ یا اللہ اس پاک زمین پر اپنی ناپاک پیشانی کو کیونکر رگڑا جائے گا؟ اس عظمت و جلالت والے مکان کے طواف پر کیسے قدرت ہو گی؟ جن گلیوں میں ہاجرہ صدیقہ دوڑی تھیں، نبی کی ماں اور نبی کی بیوی دوڑی تھیں وہاں اس ننگ امت سے "سعی" کیونکر بن پڑے گی۔

لیجئے مسجد حرام کی چار دیواری شروع ہو گئی کھلی دروازہ چھوڑتے ہوئے ہم لوگ بابِ السلام سے اندر داخل ہوئے۔ (داخلہ کے لئے یہی دروازہ سب سے بہتر مانا گیا ہے) کس کے اندر داخل ہوئے؟ اس اوچ پاک کے اندر، اس بقعہ نور کے اندر جہاں کہ ایک نماز ایک لاکھ نماز یا کم از کم ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اندر داخل ہوتے ہی نگاہ اس سیاہ غلاف والی عمارت پر پڑی جسے خشکی اور تری میں نہ سما سکنے والے نے، زمین و آسمان، عرش و کرسی کی سمائی میں نہ آنے والے نے وہم و خیال کی وسعت میں نہ گھرنے والے نے اپنا گھر کہہ کر پکارا ہے اندر نگاہ پڑتے ہی جہاں پڑی تھی وہیں جم کر رہ گئی، اس گھڑی کی کیفیت کیا اور کن لفظوں میں بیان ہو سکتی ہیں کہ موسیٰ کلیمؑ کے ہوش و حواس کسی کی ایک تجلی کی تاب نہ لا سکے تھے جب تجلی ربّ کا یہ حال ہے کہ ہوش و حواس قائم رکھنا دشوار تو ربّ البیت کی تجلی نے خدا معلوم کیا غضب ڈھایا ہو گا۔ جب گھر کی برق پاشیوں کا یہ عالم ہے تو گھر والے کے انوار و تجلیات کی تاب کون بشری آنکھ اور انسانی بصارت لا سکتی ہے؟ اللہ اللہ کیا حسن و جمال کیا رعنائی و زیبائی کیا خوبی و محبوبی، کیا دلکشی و دلبری ہے۔ جن لوگوں نے قہر و جلال کی تجلی گاہ بتایا ہے۔ خدا معلوم انھوں نے کیا اور کس عالم میں دیکھا۔ اپنا تو یہ حال تھا کہ سراپا مہر و جمال ہی ٹپکتا نظر آتا تھا اور ہر چہار طرف سے رفق و الفت شفقت و رحمت کے کھلے ہوئے پھولوں کی خوشبوئیں لپکی اور دوڑی چلی آرہی تھیں۔ ابراہیم کی خلت اسمٰعیلؑ کی فداکاری ہاجرہ کی مسکینیت، اللہ اکبر، جہاں یہ تینوں اکٹھا ہوں انوار مہر و جمال کی تجلیات، اس ٹھکانے سے بڑھ کر اور کہاں ہوں گی اب نہ قلب کو اضطراب ہے، نہ طبیعت میں انتشار نہ خوف نہ دہشت، نہ رعب نہ ہیبت، سرتاسر سکون ہے اور انبساط، سرور ہے اور نشاط

من دخل کان آمنا کی تفسیر یں بہت سی پڑھی تھیں۔ لیکن جو تفسیر اس گھڑی بغیر کسی کتاب و عبارت کے توسط کے لوح قلب پر القا ہو رہی تھی وہ سب سے الگ، سب سے نرالی، سب سے عجیب تھی اور اگر فاش گوئی کی اجازت دی جائے تو اپنے حق میں سب منقول و مکتوب تفسیروں سے بڑھ کر صحیح بھی تھی۔ آہ

در مصحف روئے او نظر کن
خسرو، غزل و کتاب تا کے؟

---

غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ قیامت کے دن کعبہ کا حشر بناؤ سنگار کی ہوئی نئی دلھن کی شکل میں ہو گا۔ لیکن یہ قید اس روز کے لئے کیوں اور اس کے مشاہدہ کے لئے قیامت کے انتظار کی کیا ضرورت ہے؟ قسم ہے خانہ کعبہ کے رب کی کہ کعبہ آج بھی نئی دلھنوں کی طرح حسن و جمال، رعنائی و زیبائی، دلکشی دلبری کے پورے ساز و سامان سے آراستہ ہے اور اپنی خوبی و محبوبی میں بجز مدینہ کی مسجد نبوی کے دوکوئی شریک رکھتا ہے نہ سہیم، اسے محبوبیت کے جامہ میں حسن و جمال کی جلوہ داؤں کے ساتھ اسی عالم ناسوت میں کس نے نہیں دیکھا؟ پیغمبروں نے دیکھا، صدیقوں نے دیکھا، کاملوں نے دیکھا عارفوں نے دیکھا آنکھیں رکھنے والوں نے دیکھا اور انتہا یہ ہے کہ جو بصیرت سے محروم اور بصارت کا ضعیف ہے اس تک نے دیکھا، شاید امام غزالی ہی نے یا کسی اور بزرگ نے فرمایا ہے کہ آج جن آنکھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی ہے کل ان میں اتنی قوت و استعداد پیدا کر دی جائے گی کہ وہ رب کعبہ کا بھی دیدار کر سکیں اس مرتبہ اور اس اکرام کا کیا کہنا لیکن اس مرتبے کی توقع تو وہ کرے جو خود ذی ہمت ہو ہم جیسے درماندوں اور زبوں ہمتوں کے لئے مکین کو چھوڑ کر مکان کا دیدار بجائے خود کیا کم ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر کرنا ایک مستقل عبادت ہے اور شاید کسی حدیث میں یہ تصریح بھی آئی ہے۔ کہ کعبہ پر روزانہ ایک سو بیس مرتبہ رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ جن میں سے ساٹھ ان کے لئے ہیں جو اس کے اندر نماز پڑھتے ہیں اور چالیس ان کے لئے جو اس کا طواف کرتے ہیں اور بیس ان کے لئے جو اس کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ لیکن اجر و عبادت سے قطع نظر کر کے اپنے ذوق و شوق اور ولولہ کے لحاظ سے کون دل ایسا ہے جو ہوس دیدار سے خالی اور حرص نظارہ سے کورا ہو گا؟ جی بیتاب کہ دیکھئے اور پھر دیکھئے دس بار دیکھئے، سو بار دیکھئے، ہزار بار دیکھئے دیکھتے رہئے اور دیکھے جائیے اور دیکھنے سے کبھی نہ تھکئے۔

نظارہ زجنبیدن مژگان گلہ دارد

---

رفعت و مرتبہ و جلالت قدر کا یہ حال لیکن اسے چھوڑیئے کہ یہ تو سب کو مسلم ہے اور اس میں کسی کو کلام ہی نہیں، یہاں ذکر کمال کا نہیں بلکہ اس دلآویزی و محبوبی کے باب میں ہو رہی تھی، شیخ فریدالدین عطار اپنے تذکرۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی زبان سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مکہ میں تھا دیکھا کہ ایک حسین نوجوان خانہ کعبہ تک پہونچنا چاہتا ہے اتنے میں بیہوش ہو کر گر پڑا میں اس کے پاس ایک کر پہونچا، دیکھا کہ وہ کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے میں نے ماجرا پوچھا تو کہا کہ میں نصرانی ہوں چاہتا تھا کہ کعبہ کے حسن و جمال کا چل کر مشاہدہ کروں جوں ہی یہاں پہونچا غیب سے کان میں آواز آئی تدخل بیت الحبیب فی قلبک معادات الحبیب (دوست کے گھر میں قدم رکھ رہا ہے اور دل میں دوست کی دشمنی لئے ہوئے ہے) اللہ اللہ! حسن و جمال کی یہ کشش منکروں تک کو یہ شوق دید! وہ جو کمال کے منکر ہیں جمال کا انکار ان سے نہ بن پڑا! — عبداللہ بن مبارکؒ کی روایت چھوڑیئے اسے سیکڑوں برس کا زمانہ ہو چکا۔ اپنے زمانہ کو دیکھئے آج اس بیسویں صدی میں اس روشنی اور روشن خیالی کے زمانہ میں کیا حال ہے؟ کتنے امریکی اور کتنے افریقی کتنے برطانوی اور کتنے اطالوی کتنے جرمن اور کتنے فرنچ اس تمنا اور اس آرزو میں رہتے ہیں اور کس کس طرح بھیس بدل بدل کر، وضع قطع نام و قومیت تبدیل کر کر کے جھوٹے مسلمان اور جعلی عرب بن بن کر اس گھر کے دیدار کو آتے رہتے ہیں۔

---

اور رجعیت پر اس محبوبیت پر حیرت کیوں کیجئے، آخر یہ دعا کس مقبول اور برگزیدہ کس چہیتے اور محبوب بندہ کی زبان سے نکلی تھی رب اجعل ھذا البلد آمنا واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ... ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون ساری دنیا کو چھوڑ کر صرف اتنے ٹکڑے کو لیجئے فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم لوگوں کے دلوں میں اس وادی غیر ذی زرع میں بسنے والوں کی طرف اس بے آب و گیاہ سرزمین میں ڈیرے جمانے والوں کی طرف اپنے اس پاک و پاکیزہ گھر کے جوار میں وطن بنانے والے کی طرف رغبت و کشش پیدا کر دے دعا کس نے کرائی تھی! دعا کے الفاظ کس کے تعلیم کئے ہوئے تھے؟ دعا کے لفظ خلیل اللہ کی زبان سے ادا ہوئے لیکن دعا کا القاء کہاں سے ہوا تھا؟ جس نے دعا سکھائی اس نے دعا قبول بھی کی اور جو سب کے دلوں کا مالک و حاکم ہے اسی نے دلوں میں رغبت اور کشش پیدا کر دی اور پھر مکین کے دل میں مکان کی عظمت ذرا دیکھنا۔ دعا میں یہ نہیں کہلایا جاتا کہ اس گھر کی طرف کشش ہو بلکہ صرف یہ کہ اس گھر کے آس پاس بسنے والوں کی طرف کشش ہو جس گھر کے جوار میں یہ رجعیت، یہ محبوبیت یہ کشش ہو تو خود اس گھر کی کشش اور محبوبیت کو کن لفظوں میں ادا کیا جائے دعا کے لئے اجابت خود استقبال کو آئی، دعا قبول ہوئی اور ایسی قبول ہوئی کہ ابراہیم اور اسمٰعیل والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) والے اور رب محمد والے تو الگ رہے کلکتہ اور بمبئی والے، دہلی والے اور شملہ والے، کشمیر اور مسوری والے نینی تال اور دارجلنگ والے، آکسفورڈ اور کیمبرج والے، لندن اور پیرس والے آج دنگ و حیران ہیں، اور شمال اور جنوب سے شرق سے غرب سے خشکی اور تری سے، ریل سے اور جہاز سے موٹر سے اور اونٹ سے ہزاروں



لاکھوں مرد و عورت بوڑھے اور جوان ادھیڑ اور بچے ہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امڈتے چلے آتے ہیں۔

---

جس گھر کی محبوبیت اور جاذبیت گھر کے نافرمانوں اور باغیوں تک کی نظر میں ہو تو گھر کے مالک کے غلاموں اور حلقہ بگوشوں کے دلوں کی کیفیت اس کے متعلق کیا ہو گی حرم کے اندر داخل ہوتے ہی اور کعبہ مطہر پر نظر پڑتے ہی نہ پوچھئے کہ دل کی کیا کیفیت ہوئی معلم نے اس وقت کیا دعا پڑھی یہ تو یاد نہیں اور کوئی دعا پڑھی بھی تھی یا نہیں یہ بھی اب پوری طرح حافظہ میں نہیں — اس وقت اتنا ہوش اور دماغ کسے تھا۔ البتہ یہ خوب یاد ہے کہ اس جمال مجسم پر نظر پڑتے ہی بے اختیاری کے عالم میں بیساختگی کیساتھ جو دعا زبان پر آئی وہ بے حساب بے کتاب اپنی آمرزش و مغفرت کی دعا تھی! خود غرضی کا یہ عالم کہ معاً اس وقت کوئی دوسرا یاد نہیں پڑا۔ میدان حشر کی طرح صرف نفسی نفسی زبان پر تھا اور سب سے پہلے صرف اپنے ہی حق میں دعا نکلی، مگر چند ہی لمحوں کے بعد اپنے والے بھی یاد پڑے اور عزیزوں دوستوں اور امت اسلامیہ میں جو جو یاد پڑتے گئے سب کے حق میں دعائیں ہوتی رہیں یہ تو آپ بیتی تھی لیکن کتابوں میں عموماً یہ لکھا ہوا ہے کہ خانہ کعبہ پر اول نظر پڑتے ہی۔ یہ دعا پڑھے اور یہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے (بہ تغیر بعض الفاظ) اللھم زد بیتک ھذا تعظیما وتشریفا ومھابۃ وزد من تعظیمہ وتشریفہ من حجۃ وعمرۃ تعظیما وتشریفا ومھابۃ ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ اعوذ برب البیت من الدین والفقر ومن ضیق الصدر وعذاب القبر حضرت عمرؓ کی بابت منقول ہے کہ وہ جب خانہ کعبہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم انت السلام ومنک السلام فحینا ربنا بالسلام اور فقہائے حنفیہ نے عموماً یہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے تین بار اللہ اکبر کہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور اس کے بعد جو دعا چاہے مانگے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ فان الدعاء مستجاب عند رؤیۃ البیت، رؤیت کعبہ کے وقت جو دعا کی جاتی ہے مقبول ہوتی ہے مقبولیت دعا کا یہ خاص اور اہم وقت ہے، آئندہ کے لئے تمام عازمین حج وغیرہ اس وقت کی اہمیت کو یاد رکھیں اور اس وقت عزیز کو ہرگز اپنی غفلت و تساہلی سے ضائع و برباد نہ ہونے دیں۔

---

# ماسٹر سید شاہد علی

سید شاہد علی صاحب کی پیدائش مرادآباد میں ۲۴ فروری سنہ ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ اُن کے والد کا نام سید شمشاد علی تھا جو کہ پولیس میں ملازم تھے۔ ان کے دادا کا نام سید قمر علی تھا جو ایک جاگیردار تھے۔ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں وہ شہزادہ فیروز کے ساتھ انگریزوں کے خلاف لڑے لیکن جب ہندوستانیوں کو اس لڑائی میں فتح حاصل نہیں ہوئی تو انھوں نے یہ کہہ کر ہندوستان چھوڑ دیا کہ وہ انگریزوں کی حکومت میں نہیں رہ سکتے ہیں، اور اس کے بعد ان کا کچھ پتا نہیں چلا، انکی غیر موجودگی میں انگریزوں نے اُن پر بغاوت کا الزام لگایا اور ساری جائداد اور جاگیر لے لی۔

شاہد صاحب کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ اُن کا کہنا تھا کہ انسان کو اونچی سے اونچی تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔ زندگی میں ہر چیز انسان سے چھینی جا سکتی ہے لیکن کوئی کسی کی قابلیت کو نہیں چھین سکتا۔ انھوں نے مختلف اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ اُن میں سے ایک اسکول سینٹ جوزف تھا جو گورکھپور میں قائم ہے۔ انھوں نے آگرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے، فرسٹ ڈویژن فرسٹ پوزیشن سے پاس کیا۔ یہ سنٹ جوزف کالج کے پہلے طالب علم تھے جنھوں نے اتنے اعزاز کے ساتھ بی۔ اے پاس کیا۔ اس خوشی میں اس اسکول میں دو دن کی چھٹی ہوئی اور آج تک ان کا نام آنر لسٹ میں سنہرے لفظوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس درمیان انھوں نے ادیب کامل اور ادیب فاضل کا بھی امتحان پاس کیا۔ انھوں نے گورکھپور سے تاریخ میں ایم۔ اے کیا اور پھر L.T کا امتحان پاس کیا یہ بھی فرسٹ ڈویژن میں کیا۔ ان کو اسکالرشپ بھی ملتا تھا۔ ان کو انگریزی، اردو اور فارسی زبانوں پر بڑی قدرت حاصل تھی اور تاریخ سے اُن کو گہری دلچسپی تھی۔

۱۹۳۵ء میں اُن کو کالون تعلقدار کالج۔ لکھنؤ میں بحیثیت تاریخ کے استاد کے ملازمت ملی۔ اس کالج میں انھوں نے ۲۶ سال ملازمت کی۔ وہ اس کالج کے وائس پرنسپل بنے۔ اگلے ہی سال وہ پرنسپل ہونے والے تھے لیکن عمر ہو جانے کی وجہ سے ۱۹۶۱ء میں ریٹائرڈ ہو گئے۔

۱۹۶۱ء میں انھوں نے ندوۃ العلماء میں ملازمت کی۔ وہاں قریب ۲۰ سال تک رہے۔ وہاں کی ملازمت کو وہ نوکری نہیں بلکہ عبادت کے طور پر کرتے تھے۔ کبھی ان سے یہ کہا بھی گیا کہ اب آپ کی عمر آرام کرنے کی ہے آپ کو چاہیے کہ اب آپ گھر میں بیٹھ کر آرام کریں تو وہ کہا کرتے تھے کہ میں نوکری نہیں بلکہ خدمت کے طور پر نوکری کرتا ہوں۔ قابل آدمی کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اپنی قابلیت کو دوسروں کو دیتا رہے تاکہ اس کی قابلیت سے دوسرے بھی فائدہ اٹھائیں۔ اُن کے انتقال کے وقت اُن کی عمر ۸۱ سال کی تھی۔ اس عمر میں بھی وہ ہمیشہ اپنی معلومات کو بڑھانے کے لئے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ زیادتی عمر کی وجہ سے اُن کی یادداشت کمزور ہو گئی تھی۔ اسی وجہ سے جب بھی وہ انگریزی کے کسی لفظ کا مطلب بھول جاتے تو فوراً ڈکشنری میں دیکھ لیا کرتے تھے۔

ان کے دل میں غریبوں اور مجبور لوگوں کے لئے بہت جگہ تھی۔ ہمیشہ ان لوگوں کی مدد کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اُن کو بہت سادہ زندگی پسند تھی۔ دواؤں کا استعمال بہت ہی کم کرتے۔ اُن کو ہمیشہ یہ فکر رہتی تھی کہ اُن کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہونچے۔ وہ اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو ایسی حالت نہ ہو کہ میری وجہ سے دوسروں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے۔ انتقال سے ایک ماہ

(بقیہ ص [illegible] پر)

قبل پاکستان میں ان کے ایک رشتہ دار کا انتقال ہو گیا تھا۔ جن سے ان کو بڑی محبت تھی۔ جب سے اُن کو اُن کے انتقال کی خبر ملی تھی وہ ان کے بارے میں کافی سوچا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن جس دن ان کی طبیعت خراب ہوئی اس دن صبح کے وقت کچھ مہمان پاکستان سے آئے۔ اُن سے انھوں نے دیر تک بات چیت کی، اُن لوگوں سے بھی اپنے اُن رشتہ دار کے بارے میں دریافت کیا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد وہ سو گئے اور پھر سونے کے بعد جب اٹھے تو منہ ہاتھ دھونے کے بعد وہ اچانک بے ہوش ہو گئے۔ ان کو فوراً بلرام پور اسپتال لیجایا گیا (تاریخ ۲۴ر اپریل ۱۹۸۱ء) وہ وہاں بھی بے ہوش رہے۔ پھر دو راتیں اور ایک دن بیہوشی رہے اور اسی عالم میں ۲۶ر اپریل ۱۹۸۱ء کو بروز اتوار صبح کے وقت وہ اس جہانِ فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔

ان کو ڈالی گنج قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اللہ پاک ان کو اپنے جوارِ رحمت میں رکھے۔ آمین

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء عالمِ اسلام کا ایک بڑا علمی و دینی مرکز ہے جو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں بفضلہ تعالیٰ اہم دینی و علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک، افریقہ، ملیشیا، تھائی لینڈ، یوگنڈہ، عمان، انڈونیشیا، تبت وغیرہ کے طلبہ بھی زیرِ تعلیم ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت و عالیشان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مرحلہ سے گذر چکی ہے، جس میں اہلِ خیر حضرات نے دل کھول کر حصہ لیا تھا لیکن چند ہی برسوں میں طلبہ کی تعداد بڑھ جانے نیز جمعہ و عیدین میں قرب و جوار کے نمازیوں کی آمد کے سبب مسجد پھر بہت تنگ ہونے لگی۔ اکثر شامیانہ لگانا پڑتا ہے، باہر سے آئے ہوئے معزز مہمانوں نے بھی اس تنگی کو محسوس کر کے توسیع کی طرف متوجہ کیا مگر اس ہوش رُبا گرانی کے زمانہ میں اتنے بڑے کام کا شروع کرنا آسان نہ تھا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے بھروسہ پر بروز جمعہ ۲ر رجب ۱۴۰۱ھ مطابق ۸ر مئی ۱۹۸۱ء بوقت اشراق حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں اس مبارک کام کا آغاز کر دیا گیا، اللہ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ اپنے گھر کی توسیع کے مراحل آسان فرمائے گا، موجودہ گرانی کے دور میں یقیناً یہ ایک اہم اور بڑا کام ہے، جس کے مصارف کا تخمینہ پانچ لاکھ سے کچھ زائد ہے۔

زیرِ تعمیر اضافہ انشاء اللہ تین منزلہ ہوگا اور مسجد کے مسقف حصہ کے بقدر انشاء اللہ توسیع ہو کر نمازیوں کے لئے دوگنی گنجائش نکل آئے گی۔

دار العلوم کی مسجد کی تعمیر عام مسلمانوں کے تعاون سے ہی ہوئی تھی جس میں خواتین نے بھی ہمت اور حوصلہ سے حصہ لیا تھا، امید ہے کہ اہلِ خیر حضرات اس مبارک کام میں فراخدلی کے ساتھ حصہ لیں گے۔

"مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ"

ترجمہ: جس نے اللہ (کی عبادت) کے لیے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

(جناب) مصباح الدین صاحب
معتمد مال

(مولانا) معین اللہ صاحب ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء

(مولانا) محب اللہ صاحب ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

نوٹ: منی آرڈر، چک اور ڈرافٹ بھیجنے کا پتہ: ناظم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ۔ لکھنؤ۔

# دینی تعلیم و عصری تقاضے

محمد اشرف سلیمانی پشاور

ہماری دینی تعلیم کا اصل سرمایہ "علوم معاد" ہیں، جن کا مبنیٰ و منبع وحی الٰہی اور سینۂ نبوت ہے، اور جن کا گنجینہ ہمارے پاس کتاب و حدیث (سنت) کی صورت میں محفوظ ہے اور چونکہ حکمت الٰہی نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ کا دورۂ نبوت قیامت بلکہ ابد الآباد تک ممتد و مستمر فرما دیا ہے، اس لئے "کتاب و سنت" کا یہ خزینہ تا قیام قیامت جملہ جن و انس کی ہدایت یابی کا واحد ذریعہ ہے، جس میں علوم ہدایت و طریقۂ ہدایت کو منحصر فرما دیا گیا، کتاب و سنت کی اس "امانت" کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت اجابت یعنی امت مسلمہ کو الٰہی حفاظت کی ضمانت کے ساتھ سپرد فرما کر تشریف لے گئے، اور امت کا عموماً اور علمائے امت کا خصوصاً یہ فریضۂ منصبی قرار دیا گیا، کہ "علوم نبوت" کی اس الٰہی امانت کو کمال حفاظت و اتقان کے ساتھ دوسروں کی طرف منتقل کرتے رہیں اور "اصل امانت" میں کسی خیانت و کمی بیشی کا ارتکاب ہونے نہ پائے۔ اس اعتبار سے "علوم دینیہ" کے اصل ماخذوں (قرآن و سنت) کو ہر قسم کی تحریف و ترمیم، تغیر و تبدل، تنسیخ و اضافہ سے محفوظ فرما دیا گیا۔ اور ان علوم کی تحصیل کا مقصود منشائے الٰہی اور مراد نبوت کو زیادہ سے زیادہ سمجھ کر اس کے افہام و تفہیم توضیح و تشریح، تعلیم و تعلم، تعمیل و اتباع، اور تبلیغ و دعوت قرار پایا۔ امت کے علوم دینیہ کے بحور لا تتناہیہ کے ذخائر اسی "تفقہ فی الدین" کے آثار و نتائج ہیں، جو علوم قرآنیہ، علوم حدیث، علوم فقہ، علوم تصوف و اخلاق، علوم کلامیہ اور دیگر علوم اسلامیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور انشاء اللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے اور دین کی اس امانت کے "انتقال" کے فریضہ کی ادائیگی ہوتی رہے گی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہو۔

" لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ۔ (انفال ۴۲)

(تاکہ جس کو برباد ہونا (گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو، اور جس کو زندہ یعنی ہدایت یافتہ) ہونا ہے وہ (بھی) نشان آئے پیچھے زندہ ہو۔ (بیان القرآن)

اور ارشاد نبوت :۔

" فلیبلغ الشاھد منکم الغائب

(تم میں جو حاضر ہیں غائب تک (میرا پیام پہونچا دیں)۔

کے ارشاد نبوی صلعم کی تعمیل ہوتی رہے۔

ظاہر ہے کہ دین ایک امرِ حقیقت اور قرآن و حدیث لازوال و غیر متبدل حقائق ہیں، لیکن زمانہ ہر آن تغیر پذیر و انقلابات کا محل ہے، ہر جدید دور کے تقاضے نئے نئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ انسانی افکار و خیالات بدلتے رہتے ہیں، نفسیات میں فرق آجاتا ہے۔ علوم دنیاوی کی ترقیات جدید ایجادات و اکتشافات دنیا کا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ اور ہر جدید ہر قدیم کی جگہ لے لیتا ہے اور اس "تغیر آباد عالم" میں ان لازوال علوم کی امین و حامل امت کو نئے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور علوم نبوت کی محافظ و داعی ہونے کی حیثیت سے ہر زمانہ کے تقاضوں، اس کی للکار و تحدی (چیلنج) کا مقابلہ اس صورت سے کرنا پڑتا ہے، کہ "اصل علوم نبوت" پر آنچ نہ آنے پاوے۔ چنانچہ ہر دور میں اساطین امت نے زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کے باوجود تعلیمی خاکوں میں جو رنگ بھرا اور حذف و اضافہ، حک و ترمیم کا جو عمل بھی اختیار فرمایا، انھوں نے اس "اصل امانت یعنی "منصوص و منقول" علوم معاد کی لفظاً و معناً کلی حفاظت کی اور اس کی روح کی بقاء کا پورا پورا اہتمام فرمایا، اور کسی صورت "علوم نبویہ" کے مقام و حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ یہ علوم مطالع، مراد و مقصود رہے، باقی علوم سے استفاع ان کے خادم، وسیلہ، مددگار، آلہ و ذریعہ کی حیثیت سے رہا۔ یعنی اصل علوم دینیہ رہے، باقی علوم کی حیثیت ثانوی رہی۔ دوسرے علوم میں تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ لیکن اصل اپنی جگہ قائم و دائم رہے، کہ

گر من و تو ہلاک شویم چہ باک
کو اندر بلا کی من و تو سلامت اوست

چنانچہ تیسری صدی اور ما بعد کے زمانہ میں جب یونانی و ہندی، ایرانی علوم تراجم کے ذریعے مسلمانوں میں در آئے اور ان کا ایک طبقہ ان سے متاثر ہونے لگا، تو اس کے ازالہ کے لیے علمائے امت نے ان علوم کا ازالہ فرما کر "خذ ما صفا و دع ما کدر" کے اصول کے مطابق فلسفہ و منطق و دیگر عقلی علوم کو داخلِ نصاب کر لیا۔ اور پھر ان علوم میں اپنی خداداد ذہانتوں سے بیش بہا اضافے کئے۔ حضرت سید العلامہ سید سلیمان ندوی ارقام فرماتے ہیں،

"یہ معقولات کا بے پایاں دفتر جو عربی میں افلاطون و ارسطو کے تراجم سے وجود میں آیا تھا۔ اس کو امام غزالیؒ کی کوششوں نے درس میں شامل کیا، تو اس سے دو مقصود تھے، ایک یہ کہ معتزلہ اور باطنیہ کی تعلیم و اشاعت سے یہ علوم عقلیہ عوام میں رواج پذیر ہو گئے تھے اور علماء دین کی طرف سے ان علوم کی ناواقفیت کے سبب سے لوگوں کو بے التفاتی تھی۔ وہ دور ہو جائے۔ اور دوم یہ کہ جو مذہبی شکوک و شبہات ان کی وجہ سے پھیل رہے تھے ان کا ازالہ ہو جائے۔"

(معارف نمبر ۲ ج ۱۰ ص ۳۰۲)

امام غزالیؒ ہی نے سب سے پہلے فقہ کے خادم کی حیثیت سے اپنی کتاب "المستصفیٰ" میں منطق کا استعمال فرمایا اور پھر منطق ہماری کتابوں میں سرایت کرتی چلی گئی۔ اسی طرح فلسفہ نے علم کلام و تصوف و دیگر علوم میں بار پالیا۔ اس طرح فلسفہ و منطق ہمارے دینی نصاب میں داخل ہو گئے، ظاہر ہے کہ دورِ غزالی سے پہلے بھی دینی علوم تھے جو فلسفہ و منطق کے بغیر اپنی حیات آفرین تعلیمات سے انسانیت کو زندگی بخش رہے تھے۔ عوارض زمانہ کی وجہ سے امام غزالیؒ اور دیگر علمائے کرام نے ان علوم عقلیہ کو داخلِ درس کیا، مقصود دین کی خدمت، حمایت، یا لا دینی علوم سے حفاظت تھی، تاہم کسی دور میں بھی علمائے ربانیین نے ان علوم کو بالذات دینی علوم نہیں سمجھا، اور نہ اصل دین کا ان پر مدار جانا۔ عوارض کی بنا پر ان کی ضرورت مسلم سمجھی گئی۔ جب بھی وہ عوارض باقی نہیں رہیں گے، ان کی ضرورت نہیں رہے گی، یا جس قدر عوارض کم ہو جائیں گے۔ اسی کے بقدر ان کی ضرورت میں کمی ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں فلسفہ و منطق اور دیگر علوم عقلیہ و معاش کے نصاب اور کتابوں میں کمی بیشی اور تغیر و تبدل ہوتا رہا، جیسے یہ انسانی علوم ہر دم تغیر پذیر رہے ہیں، اسی طرح ان کے "مادۂ علم و فن" میں تبدیلی ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔ اور یہ ایک فطری حقیقت و عملی ضرورت بھی ہے کہ ارتقاء پذیر اور ہر آن متبدل علوم کے نصاب میں تبدیلی ہوتی رہے، چنانچہ اہلِ نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ ہمارا نصابِ تعلیم بے شمار مراحل و تغیرات سے گزرا۔ چونکہ مسلمانوں کے دورِ عروج میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق نہ تھی۔ اور ایک ہی نصاب رائج تھا۔ اس لئے ہمارا نصابِ تعلیم مختلف ادوار و مختلف مقامات میں تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ علوم معاد و علوم معاش (جس میں علوم عقلیہ بھی شامل تھے) دونوں پر مشتمل تھا۔

آج سے تقریباً دو سو سال پہلے ملا نظام الدینؒ نے اس زمانے کی دینی و دنیاوی ضرورتوں کو دیکھ کر جو نصابِ تعلیم مرتب فرمایا۔ اسے کچھ ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ ہند و پاک کے اکثر مدارس میں درسِ نظامی کے نام سے تقریباً وہی نصاب نافذ ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ دور جو تغیرات کی تیز رفتاری کا سب سے بڑا دور ہے۔ "درسِ نظامی" اپنی بنیادوں پر قائم ہے۔ اسی طرح اصول کے اعتبار سے غالباً اسلامی تاریخ کا معمر ترین نصاب ہے۔ جو تغیر و تبدل کی انقلابی اور بنیادی تبدیلیوں سے محفوظ چلا آرہا ہے۔ علوم دینیہ کی بحث تو علیحدہ ہے لیکن "علوم عقلیہ" کی جو عمارت قائم کر دی گئی تھی زمانے کے علی الرغم وہ انھیں بنیادوں پر مضبوط سے مضبوط تر اور بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔ مثلاً منطق کو لیجئے ملا نظام الدین صاحبؒ نے جو کتابیں نصاب میں رکھی تھیں وہ فقط سلم العلوم، میر زاہد اور ملا جلال

تھیں۔ لیکن حوادث زمانہ[1] کی وجہ سے انکی تعداد پندرہ تک پہنچ گئی، جو کسی نہ کسی صورت میں مختلف مدارس میں رائج ہیں۔

یہی حال حکمت، ہیئت و فلسفہ اور قدیم ریاضیات کا ہے، ظاہر ہے کہ جس دور میں یہ نصاب تجویز کیا گیا تھا، اس دور کی دینی اور دنیوی ضروریات کے لئے کافی تھا، اور طلبہ کی استعدادوں کو جلا بخشتا اور اس دور کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا اور وقت کا مفید نصاب تھا، یہ اسی کا کمال ہے کہ دو سو سال تک بے شمار فقید المثال، نابغۂ روزگار علمی شخصیتوں کو پیدا کرتا رہا۔ اور اب بھی اگر زمانے کے اثرات و ضرورتوں نے نئے تقاضے پیدا نہ کر دیے ہوتے اور اساتذہ و طلبہ تک کا رنگ نہ بدل گیا ہوتا تو اسکی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن دور حاضر نے بے شمار نئے تقاضے پیدا کر دیئے۔ طبیعتوں میں انقلاب آ گیا، اذواق و افکار بدل گئے، نئے علوم، نئی معلومات، نئی طبیعیات، جدید ریاضیات، جدید اکتشافات و ایجادات نے فکر و نظر میں تبدیلی پیدا کر دی اور دنیا کا رنگ کچھ سے کچھ ہو گیا، بقول سید الملۃ رحمہ

"اب یورپ کے اثر سے دنیا میں انقلاب آ گیا ہے، یونانی علوم عقلیہ کا چربچہ اب سمندر بن گیا ہے، اب نئے علوم، نئے مسائل اور نئی تحقیقات ہیں، اور جو پرانے علوم بھی ہیں، وہ بڑھ کر اب بحر ناپیدکنار ہو گئے ہیں، ریاضیات کو چھوڑ کر علوم عقلیہ کا جو سرمایہ صرف شفا، اشارات اور نجات کے چند اوراق میں محدود تھا اور ایک ایک علم ایک فصل میں آ جاتا تھا۔ اب بڑھ کر دفتر اور کتب خانہ ہو گیا ہے۔ طبیعیات، حرکیات، سکونیات، جوّیات، معدنیات، حیوانیات، نفسیات، بشریات، وغیرہ جن کی بحثیں گذشتہ زمانہ میں چند صفحوں سے زیادہ نہ تھیں اب وہ مستقل علوم ہو گئے ہیں۔"

(معارف ج ۵۴ ص ۲۴۳)

ایسی حالت میں کیا قدیم عقلی علوم اور اس کے قدیم نصاب پر اکتفا کفایت کر سکتا ہے؟ ضرورت ہے، کہ عقلی علوم کے نصاب کا پورے غور و فکر سے جائزہ لیا جائے، اور جو کتابیں ہمارے دینی علوم کے قدیم ذخیرہ سے استفادہ کے لئے کلیۃً لابدی نہیں ہیں۔ انھیں خارج کر دیا جائے۔ مثلاً منطق و قدیم فلسفہ و ہیئت کی تعلیم اسی قدر نصاب میں شامل ہو، جو ہماری دینی کتب میں ان علوم کی مصطلحات کو سمجھنے کے لئے کافی ہو، جو طلبہ قدیم فلسفہ و منطق وغیرہ سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ ان کے لئے علیحدہ کتابیں "تخصص" کے درجہ میں رکھی جا سکتی ہیں۔ عام طلبہ کو اس کا پابند نہ بنایا جائے۔ مزید براں متاخرین کی مغلق، مشکل، موجز کتابوں کی بجائے متقدمین کی کتابوں کو ترجیح دی جائے اور انکی تعداد بھی ضرورت کے بقدر ہو۔ حقیقت ہے کہ قدیم فلسفہ و منطق و ہیئت وغیرہ کی اصطلاحات و طرز اگر ہمارے دینی علوم فقہ و کلام وغیرہ کی کتابوں میں سرایت نہ کر گیا ہوتا، تو اس "دفتر پارینہ" کو محض "یادگار قدیمہ" کی حیثیت سے گوارہ کیا جاتا، لیکن چونکہ دینی علوم کے ذخائر بھی ان سے کلیۃً محفوظ نہیں رہے، اس لئے ترمیم و اصلاح کے ساتھ ان علوم کی ایک دو جامع کتابیں ہی نصاب میں برداشت کی جا سکتی ہیں، لیکن جس کثرت سے متاخرین کی کتابیں ہمارے نصاب میں داخل ہو چکی ہیں ان کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اس دراز نفسی کا مدعا یہ ہے کہ "معقولات" کے علوم میں حک و ترمیم و اضافہ کا عمل اس طرح اختیار کیا جائے کہ اولاً جن علوم کی دور حاضر میں از بس ضرورت نہیں رہی، ان علوم کی کتابوں کو اس حد تک نصاب میں باقی رکھا جائے کہ قدیم دینی و علمی و فنی ذخائر کتب سے استفادہ کی استعداد و قوت باقی رہے اور چونکہ طبائع میں وہ پہلی سی ہمت و جفاکشی، محنت و جستجو اور ذوق علم نہیں رہا اس لئے اصل فن اور مغز سخن پر مشتمل ایسی کتابوں کو داخل نصاب کیا جائے جو ژولیدگی بیان، خلط بحث تعقیدات لفظی، دور از کار ابحاث، گنجلک و انتہائی موجز و مغلق عبارات سے پاک ہوں، دقت و نکتہ آفرینی کی بجائے سہولت و وضوح ضرورت وقت بھی ہے اور اعلم الناس نفسیات بشری کے سب سے بڑے رمز آشنا جیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی،

"یسروا و لا تعسروا"

(آسانی پیدا کرو اور سختی مت کرو)

کی تعمیل بھی۔

مروجہ نصاب میں علوم عقلیہ پر اس ژولیدہ بیان کو دک ناداں کی یہ چند گذارشات تھیں۔

## علوم عربیہ

علوم معاد یا علوم دینیہ کے لئے عربی، بنیاد کا درجہ رکھتی ہے، علوم قرآنیہ ہوں یا علوم حدیث علوم فقہ ہوں یا دیگر علوم دینیہ میں امعان نظر، کمال و رسوخ بغیر علوم و لغات عربیہ اور فنون ادب کی مہارت کے ممکن نہیں، معمولی عربی دانی ایک درجہ تک مفید رہ سکتی ہے لیکن قرآن کریم (جس کی صفت "قرآناً عربیاً" اور جس کی شان "لاتنقضی عجائبہ" ہے) کے حقائق و معارف، اس کا اعجاز، وجوہ اعجاز اور انکا اثبات، اس کے الفاظ و محاورات و معانی، اس کی بلاغت، اس سے احکام و مسائل کا استخراج و استنباط بغیر علوم عربیہ اور ادبیات عربیہ کی مہارت کے ممکن نہیں۔ ہمارے حضرۃ الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری رحمہ اپنے شیخ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ کا یہ قول نقل فرماتے تھے کہ "میری اعجاز القرآن پر تقریر وہی سمجھ سکتا ہے، جسے جاہلی شعراء کے دس ہزار اشعار یاد ہوں" اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن دانی کے لئے عربی ادب و لغت و زبان دانی کی کس قدر ضرورت ہے؟ یہی حال دوسرے علوم دینیہ کا ہے کہ فنون ادب میں مہارت اور عربی زبان دانی کے کمال کے بغیر ہر قدم پر لغزش پا کا اندیشہ ہے جس کی مثالیں اس دور میں کمیاب نہیں، اسی طرح عربی میں مؤثر تصنیف و تالیف بغیر زباندانی، مہارت فن اور ادیبانہ ممارست کے مشکل ہے، اس لئے "دینی نصاب تعلیم" کا تصور عربی کی اعلیٰ و عمیق تعلیم کے بغیر ممکن نہیں، مزید بر آں موجودہ دور میں جب کہ تمام دنیا مواصلات کی آسانی و کثرت کی وجہ سے انتہائی قریب ہو گئی ہے۔ اسلامی ممالک کے درمیان عربی زبان نے ایک عالم گیر و مشترک زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے، علماء کے لئے قدیم عربی دسترس بلکہ جدید اور روزمرہ کی عربی میں تقریر و تحریر و محادثہ میں حذاقت بھی ضروری ہو گئی ہے کہ اگر قدیم عربی زبان و فنون ادب میں مہارت "علوم دینیہ" میں کمال و رسوخ کے لئے لابدی و لازمی ہے تو جدید عربی "عرب ممالک" سے تعلقات اور ان جدید الفاظ و زبان کو جاننے کے لئے ضروری ہے جنھیں تمدنی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی تقاضوں نے وجود بخشا ہے اور جنھیں ضروریات زندگی کی نئی چیزوں، نئے

[1] علامہ حکیم سید عبد الحی صاحب رحمہ نزہۃ الخواطر اپنے رسالہ "ہندوستان کا نصاب درس اور اسکے تغیرات" میں ارقام فرماتے ہیں۔ "اس زمانے میں جو نصاب رائج ہے، وہ درس نظامیہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، کیونکہ درس نظامی میں منطق میں مندرجہ ذیل کتابوں کا اضافہ بغیر غور و فکر کے خود بخود ہو گیا ہے، غلام یحییٰ، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک اور بعض مقامات پر شرح سلم عبد العلی بحر العلوم اور حاشیہ عبد العلی بر میر زاہد رسالہ، اور کہیں کہیں شرح سلم ملا مبین بھی۔

اس اضافہ کی تاریخ بہت دلچسپ ہے، مولوی محمد فاروق صاحب چڑیا کوٹی اپنے استاذ مفتی محمد یوسف رحمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے بچپن میں شرح سلم علی العموم رائج نہیں تھی بلکہ قاضی مبارک کے رائج تھی، اور حمد اللہ کے تلامذہ اپنے استاد کی شرح پڑھاتے تھے، شاگرد مولوی مدن وغیرہ اپنے شاگردوں کو سلم کے ساتھ شرح سلم، قاضی مبارک بھی پڑھاتے تھے اور ملا حسن کے شاگرد شرح سلم ملا حسن پڑھاتے تھے اور بحر العلوم کے خاندان میں شرح سلم بحر العلوم، پڑھانے میں ایک دوسرے پر نوک جھونک بھی ہوتی جاتی تھی۔ اس لئے ایک دوسرے کی کتاب کا دیکھنا ضروری تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ سب کتابیں درس میں داخل ہو گئیں، جن کو ہم اگر کہنا چاہیں تو صحیح طور پر ناخواندہ مہمان یا سبزۂ خودرو سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ . . . . (اسی طرح) منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہو گئی ہیں، شروع سے لیجئے تو صرف پندرہ کتابیں صرف منطق کی اس نصاب میں ہیں، صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، ملا حسن، حمد اللہ، میر زاہد رسالہ، غلام یحییٰ، میر زاہد جلال، قاضی مبارک . . . . منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں، ان میں خلط مبحث ہے۔ (ص ۲۲ - ۲۳)



آلات، نئے طریقوں، جدید علوم و فنون نے جنم دیا ہے، جدید دور میں رہتے ہوئے دین و دعوت کے عالمگیر تقاضوں و ذمہ داری کے پیش نظر علماء کے لئے "جدید عربی" ایک اہم ضرورت بن چکی ہے، زبان دانی کا ابلاغ میں جو مقام ہے، اہل نظر اس سے ناواقف نہیں۔ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین کے لئے زبان و کلام کی تنگ دامانی عذر نہیں بن سکتی۔ غرض عربی قدیم ہو یا جدید، اس میں مہارت اور فنون ادب میں دسترس دینی تعلیم کا ایک اہم تقاضا ہے، مدعا یہ ہے کہ نصاب تعلیم میں عربی زبان و ادب، انشا و تحریر، خطابت و تقریر، محادثہ و تکلم کو وہ اہمیت و مقام دیا جائے، جو وقت کی ضرورت و تقاضا ہے تاہم یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بقول سید الملۃ قدس سرہ،

## "ادبی و لسانی عربی ہماری دینی تعلیم و مدارس کا مقصود بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے۔"

مقصود تو علوم دینیہ ہیں۔ اور یہ ادبیات ان کی رونق کا سامان اور علوم دینیہ کی تحریر و تقریر، تالیف و تصنیف، اظہار و بیان کا آلہ، ظاہر ہے کہ آلہ کو ذی آلہ اور اصل کا مقام نہیں دیا جا سکتا، غرض صرف رسوخ علم دین اور خدمت ہے، دیگر ہیچ ست

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شما ست
جز ایں خیال ندارم خدا گواہ من است

یہاں یہ بات بھی بے محابا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ "دور زوال" کے اسالیب ادب اور مقاماتی طرز نگارش" سے بھی جتنا جلد رہائی پا سکیں بہتر ہوگا۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ "احادیث نبویہ" کا اسلوب بیان، فصحائے عرب کا طرز کلام، خطباء عرب کے خطبات اپنے اندر جو برنائی، شیرینی، فصاحت و بلاغت و جاذبیت و تاثیر رکھتے ہیں، بلکہ تیسری و چوتھی صدی ہجری بلکہ قرون مابعد کے بعض ادباء میں دور زوال سے پیشتر جو زور بیان، روانی، برجستگی اور فصاحت پائی جاتی ہے (مثلاً ہم جاحظ[1]، ابن مقفع، ابن قتیبہ وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں) وہ بدیع الزمان ہمدانی کے مقاماتی اسلوب اور حریری کی مرصع و مسجع عبارت آرائیوں میں کہاں میسر آ سکتی ہے؟ جدید نثری ادب بھی اپنے اسالیب میں قدیم ادب کے قریب و مشابہ ہے، "مقاماتی ادب" کی طرح پر تکلف نہیں، ترصیع و تسجیع سے عاری اور طبعی پر کشش و سلیس ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے نصاب میں قدیم و جدید جملہ اصناف نثر کی بھرپور نمائندگی ہو۔ اور منتخبات[2] کا ایسا گرانمایہ سرمایہ ادب طلبہ کے مطالعہ میں آئے جو ہر دور کے ادب کی عکاسی کرتا ہو، بلکہ ادب کے ساتھ دینی اقدار کی بھی پرورش کرتا ہو، یا کم از کم دین کے مخالف نہ ہو۔

اسی طرح علوم آلہ میں صرف و نحو میں "تسہیل و اختصار" کی راہ اختیار کی جائے اور ادق و مشکل کتابوں کی بجائے واضح اور آسان کتابیں نصاب میں داخل کی جائیں۔ ممالک عربیہ کی جدید کتابوں سے استفادہ کیا جائے اور جہاں ہمارے غیر اہل زبان ہونے کی وجہ سے حذف و اضافہ کی ضرورت ہو، وہاں اس کا اہتمام کیا جائے۔ علوم بلاغت میں بھی متاخرین کی مغلق کتابوں کی بجائے متقدمین کی سہل و واضح کتابوں یا جدید معیاری کتابوں کو داخل درس کیا جائے، غرض ہمارا "عربی ادب" کا نصاب نظر ثانی کا محتاج ہے، حماسہ، ابو تمام، اور سبع معلقات کے علاوہ دیگر کتب کی تبدیلی پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

## علوم دینیہ:

علوم معاد یا علوم دینیہ ہمارے دینی مدارس و تعلیم کا اصل سرمایہ و مقصود ہے، بحمد اللہ تعالیٰ جہاں تک فن حدیث کا تعلق ہے، کتب عشرہ یا تسع کا داخل نصاب و درس ہونا بہت ہی باعث سعادت و برکت ہے جس کے اثرات ظاہر و باہر ہیں، خدا کرے کہ ہمارے اسلاف کی طرح یہ علم اپنی پورے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ عمق و بسط سے پڑھایا جاتا ہے۔ تاکہ ہند و پاک میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ سے اس علم شریف کا جو علم اس خطہ کے ہاتھ میں ہے، وہ اسی طرح بلند ہے نصاب میں اصول و رجال کی کتابوں میں اضافہ ہونا چاہئے۔

قرآن کریم کے علوم کی نہایت نہیں، ضرورت ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم پر مزید وقت صرف کیا جائے۔ جلالین و بیضاوی کے ڈھائی سپارے کفایت نہیں کر سکتے۔ دورۂ حدیث کی طرح دورۂ تفسیر کا تمام بڑے عربی مدارس میں اہتمام کیا جائے جس میں مختلف مہم اور امہات تفاسیر کو سامنے رکھ کر پورے قرآن کریم کی تفسیر کرا دی جائے۔ مختلف تفاسیر سے استفادہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے مختلف اجزاء کے لئے مختلف تفاسیر کا مستقل حصہ نصاب میں رکھا جائے۔ تاکہ مختلف تفاسیر کے مطالعہ کا ذوق اور قرآنی علوم کا شوق طلبہ میں پیدا ہو۔ ہمارے حضرت والا سید سلیمان ندوی رحمہ نے آج سے ۳۶ سال پہلے ایک جگہ پر ارقام فرمایا تھا،

"دنیا کے نظری و علمی و اعمالی، نفسی و آفاقی حالات میں جو انقلاب آ گیا ہے، قرآنی علم کلام، قرآنی علم اجتماع، قرآنی علم عمران، قرآنی علم اخلاق، قرآنی آثار و اخبار، اور قرآنی اسماء و اعلام کی تحقیقات میں عظیم الشان تبدیلیاں پیش آ گئی ہیں، آج نئے سرے سے نئی صورتوں سے نئی تعبیروں سے اور نئی تقریروں سے اس زمانہ کے نوجوانوں پر قرآن کو پیش کرنا اور ان کے نئے خدشوں اور اعتراضوں کا جواب دینا صرف جلالین اور بیضاوی سے ممکن ہی نہیں۔ . . .

اس زمانہ میں قرآن پاک کے متعلق جو سوالات دنیا کے سامنے ہیں۔ ان سے تغافل سے نوجوانوں کی نئی نسل کی بربادی کس طرح ہو رہی ہے کیا اب بھی وقت نہیں کہ قرآن پاک کے طرق تعلیم و مباحث تعلیم میں نئی ضروریات کی تکمیل کی طرف کوشش مبذول کی جائے، اور دوسری طرف اس کام کو نامستند، غیر معتمد، غیر متعمد مسئولین و مفسرین کے ہاتھوں سے بچایا جائے۔"

(معارف ج ۵۵ ص ۲۴۴)

عصر جدید اپنی مسحور کن تہذیب و تمدن، علوم و نظریات، ایجادات و اکتشافات کے ساتھ سرعت و برق رفتاری سے جدید مسائل و حالات پیش کرتا جاتا ہے، اور دین حق جو صرف اسلام ہے، اس کے لئے فکر و نظر اور عملی زندگی میں ہر روز نئے مسائل پیدا کرتا چلا، عقائد و پورا نظام زندگی اس کے تابڑ توڑ حملوں کی زد میں ہے اور یہ حملے صرف مذاہب و ادیان کی طرف سے نہیں بلکہ معیشت و معاشرت، اقتصادیات و سیاسیات، تہذیب و تمدن، سائنس ٹیکنالوجی ہر رُخ سے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ اسلام زندہ ہے، اور زندہ رہے گا، لیکن عالم اسباب میں ہمیں ایسے رجال کار پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو غزالی رحمہ و رازی رحمہ، مجدد سرہندی رحمہ اور شاہ ولی اللہ وغیرہ کی طرح نہ صرف ان اعتراضات کا جواب دیں، بلکہ اسلام کی حقانیت کو ہر اعتبار سے ثابت کر سکیں ظاہر ہے کہ اس کے لئے ہمیں ایسے متکلمین و فقہاء کی ضرورت ہوگی، جو سلف کی راہ سے سر مو تجاوز نہ کرتے ہوئے احقاق حق و ابطال باطل کر سکیں اور علماء راسخین کی طرح اسلامی اصولوں کے مطابق "تجدد و مداہنت" سے بچتے ہوئے مسائل کا شافی و وافی جواب دے سکیں۔ فقہ و عقائد و کلام کی موجودہ نصابی کتابیں اس ضرورت کے لئے کافی نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لئے جس ہمہ جہتی، مطالعہ، رسوخ علم، ایمان و پختگی، وسعت نظر، فقاہت و مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ علوم قرآن و حدیث کے عمیق و وسیع علم کے علاوہ فقہ و اصول فقہ، کلام و علم کلام و عقائد کی قدیم و جدید کتب کا مطالعہ، حالات زمانہ اور عصری علوم سے گہری واقفیت ضروری ہے، مزید براں تربیت ایسے محقق و ماہر فنون علمائے ربانیین کی چاہیے، جن کے لئے دین کے عقائد و حقائق علم و خبر نہ ہوں، بلکہ حال و حقیقت اور نظر و۔۔۔

(بقیہ ص ۲۴ پر)

[1] جاحظ کی کتاب البیان والتبیین کو بعض اساتذہ فن نے نثر کا صحیفہ کہا ہے، [2] اس باب میں مخدومی حضرت مولانا ابو الحسن علی الندوی مدظلہ کی مختارات فی الادب العربی وغیرہ ایک اچھی مثال و نمونہ ہے۔

## ندوہ کے شب و روز

○ عالی مرتبت صالح عبداللہ الصقیر کے اعزاز میں الوداعی جلسہ۔
○ ندوۃ العلماء کے تعلیمی سال کے آغاز میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی افتتاحی تقریر۔
○ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی حجاز روانگی۔
○ تعلیمی سال کے آغاز میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد کا داخلہ۔

رمضان المبارک کی تعطیل کے بعد اعلان کے مطابق دارالعلوم ۱۰ شوال کو کھل گیا اور نئے و پرانے طلبہ کی آمد شروع ہوگئی اس سال گذشتہ سالوں کی بہ نسبت طلبہ کی آمد زیادہ تھی اور داخلہ کی کارروائیاں بڑے زور و شور سے چل رہی تھیں کہ معلوم ہوا کہ جناب صالح عبداللہ صقیر صاحب جو ہندوستان میں سعودی عرب کے سفیر تھے، ۱۵ اگست کو تشریف لا رہے ہیں ان کے اعزاز میں ایک الوداعی جلسہ کا اہتمام ہوا اس لئے کہ اب وہ ہندوستان سے واپس جا رہے تھے، انھوں نے اپنی لکھنؤ آمد کا مقصد صرف ملاقات بتایا اور اس کا اظہار انھوں نے اپنی تقریر میں بھی کیا، اگرچہ ان کی یہ آمد دوسری بار تھی، سب سے پہلے مولانا محمد رابع صاحب ندوی صدر شعبۂ عربی نے استقبالیہ کلمات کہے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے درخواست کی کہ وہ کچھ فرمائیں۔

عالی مرتبت سفیر سعودی کا استقبال کرتے ہوئے مولانا مدظلہ نے فرمایا آج ہم یہاں اپنی عادت، اپنے دستور اور اپنے اسلاف کرام کے طریقہ کے خلاف ایک عالی مرتبت سفیر کے لئے وداعی جلسہ منعقد کر رہے ہیں، اور اس کی خدمات کا اعتراف کر رہے ہیں اور اس کو رخصت کر رہے ہیں یہ ہمارا دستور نہیں تھا میری اس بات کا تاثر بھی (مولانا عباسیہ ہال میں تقریر کر رہے تھے) گواہ ہے ہماری تاریخ بھی اس بات کی گواہ ہے ہمارے سب بھائی جانتے ہیں ہمارا دستور نہیں تھا کہ ہم سفیر کو بلا کر یہاں بٹھائیں ان کے اعزاز میں اور ان کی شان میں قصیدہ پڑھیں اور ان کو خراج تحسین ادا کریں۔ یہ ہمارے بزرگوں، اس ادارے کے بانیوں اور ہمارے اسلاف کرام کا دستور نہیں تھا ہم غریب ہیں اور غریب ہی رہنا چاہتے ہیں، ہمارا تعلق عوام سے ہے ہم خود عوام ہیں اور انشاء اللہ عوام سے ہمارا تعلق رہے گا۔ آج میرے لئے یہ ایک مشکل بات ہے کہ ہم ایک عالی مرتبت ایک بڑی مملکت کے جو اس وقت سب سے بڑی اسلامی مملکت اور سب سے محبوب اسلامی مملکت ہے اس کے سفیر کے لئے ہم یہ جلسہ کر رہے ہیں، کیا ہم نے اپنا طریقہ چھوڑ دیا؟ کیا ہمیں اس طریقہ میں کوئی غلطی نظر آئی؟ کیا ہم آئندہ اسی طریقہ سے سفراء کا استقبال کیا کریں گے؟ اسی طریقے سے ان کو رخصت کیا کریں گے، حاشا و کلا، ہم اس پر مطمئن ہیں کہ ہم نے اپنے لئے جو لائن بنائی تھی، جو خط مستقیم ہم نے کھینچا تھا وہی خط صحیح ہے اور اسی خط پر ہمیں جینا اور مرنا ہے اور ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم اس خط سے نہ ہٹیں لیکن ہر چیز میں استثناءات ہوتے ہیں یہ ایک استثناء ہے کہ عالی مرتبت سفیر کا تعلق کسی اور حکومت سے نہیں آپ سب کو معلوم ہے کہ دہلی میں متعدد سفارتیں ہوں گی اگر اسلامی ملکوں کا بھی نام لیجئے تو درجنوں ملکوں کے سفراء وہاں موجود ہیں کیا ہم ہر سفیر کو بلاتے رہے ہیں اور آنکھوں میں بٹھاتے رہے ہیں اور سروں پر بٹھاتے رہے ہیں غالباً یہ کوئی نہیں کہہ سکے گا پھر آج یہ ایک نیا طرز ہم نے کیوں اختیار کیا؟ میں نے عرض کیا کہ ان کا اس سرزمین مقدس سے تعلق ہے، یہ اس زمین کے نمائندہ ہیں جس سے ہمیں ہر وہ چیز ملی جس کی وجہ سے ہم انسان ہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے کو انسان کہہ سکتے ہیں۔ "او من کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا" ہم آدمی ہیں اسی کی بدولت، اگر وہ ملک نہ ہوتا، اگر وہاں خدا کا وہ پیغمبر مبعوث نہ ہوتا تو واللہ العظیم ہم آدمی نہیں تھے ہم گائے بیل سے بدتر تھے ہم اس سرزمین کی بدولت انسان ہیں، ہم آدمی کہلانے کے مستحق ہیں، اس لئے ہر وہ چیز جو اس سرزمین سے انتساب رکھتی ہے، ہر وہ چیز جس کا تعلق اس سرزمین سے ہے ہم کو عزیز ہے اور ہمیں کوئی اس بارے میں شرمندگی محسوس نہیں ہوتی ہم ان کا استقبال ان کا وداع اس لئے کر رہے ہیں کہ یہ اس سرزمین سے متعلق ہیں، اس سرزمین کے نمائندہ ہیں جس کو اس مادیت کے دور میں بھی اس بات کے کہنے میں شرم نہیں آتی کہ ہمارا دستور قرآن ہے جس کے شہید بادشاہ رائد التضامن الاسلامی الملک فیصل جب اقوام متحدہ نے اُن سے مطالبہ کیا کہ آپ بھی اپنا دستور پیش کیجئے تو انھوں نے کہا کہ ہمارے دستور کی کیا ضرورت ہے ہمارا دستور تو موجود ہے اور وہ قرآن ہے، یہ کہنے کی جرأت اس حکومت کے سوا کسی کو نہیں ہوئی اس لئے ان کمزوریوں کے باوجود جن کو میں ہمیشہ کہتا اور لکھتا رہا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ اس میں نہ پہلے کمی کی اور نہ اب کمی کرینگے انشاء اللہ۔ ہم نے برملا ڈٹ کر ہم نے خود ان سے زبانی۔ (اللہ کی رحمتیں ہوں ان پر) بات کی کہ دیکھئے آپ کے ملک کے لئے یہ خطرات ہیں آپ کو ان باتوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور اللہ نے ان کو وہ عالی ظرفی عطا کی تھی کہ انھوں نے اس بات کو ایسا سنا کہ گویا میں بھی کوئی ان کے مرتبہ کا آدمی ہوں۔

حضرات! یہ واقعہ ہے کہ وہ صرف سفیر نہیں ہیں بلکہ میں ذاتی طور پر آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک اچھے دوست ہیں وہ میرے لئے ایک اچھے دوست عزیز اور محترم تھے اور انھوں نے چار پانچ برس کے عرصہ میں اس کو نباہا اور اس کا ہر مرتبہ ثبوت دیا۔

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان کے اعزاز میں اس وقت جلسہ کر رہے ہیں جب وہ اس ملک سے رخصت ہو رہے ہیں اسلئے یہ بدگمانی کرنے کا موقع نہیں ہونا چاہئے اس میں ہمارا جذبہ بالکل صاف ہے اور ہر شبہ سے بالاتر ہے اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ یہ جہاں بھی رہیں کامیاب رہیں سرخرو اور باعزت رہیں اور اپنے ملک کا نام بھی روشن کریں اور اس مقدس

سرزمین کا بھی نام روشن کریں اور اس کے مرتبہ کے مطابق ہر جگہ کام کریں اور تمام مفادات ذاتی اور سیاسی مفادات سے بالاتر ہو کر وہ اسلامی مملکت کی نمائندگی کریں۔ ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی گذارش ختم کرتا ہوں اور اُن سے درخواست کرتا ہوں کہ کچھ فرمائیں۔

انھوں نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا قبل اس کے کہ میں ہندوستان چھوڑوں میری یہ خواہش تھی کہ میں آپ کو سلام کروں اور یہاں کے علماء اور اساتذہ اور طلبہ اور ہندوستان کے علوم اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کا جو بانی ہے یعنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو آکر سلام کروں اور رخصت ہوں یہ دراصل میرا مقصد تھا میں یہاں بحیثیت سفیر کے نہیں آیا یا صاحب المعالی یا صاحب السماحۃ کی حیثیت سے نہیں آیا بلکہ میں ایک مسکین و فقیر بندے کی حیثیت سے آیا ہوں میں صالح عبداللہ الفقیر کے نام سے آیا ہوں ایک فقیر اور عاجز بندہ کی حیثیت سے آیا ہوں جس طرح آپ نے یہ کہا کہ ہم فقراء ہیں ویسے ہی میں بھی ایک فقیر ہوں اور میں یہ کہتا ہوں "اللھم احشرنی فی زمرۃ المساکین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی اور میں بھی یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ مسکینوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما۔ میں قبل اس کے کہ ہندوستان چھوڑوں آپ کی خدمت میں جلالۃ الملک خالد بن عبدالعزیز اور وہاں کے امراء وزراء، علماء اور طلبہ کا سلام پیش کرتا ہوں اور انکی دعائیں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ میں نے ہندوستان میں تقریباً پانچ سال گزارے اور ان پانچ سالوں کے اندر میں نے پوری طور پر کوشش کی کہ ہند و عرب میں بہتر سے بہتر تعلقات قائم ہوں اور اسی لئے میں مسلسل کوشش کرتا رہا۔ اس دوران میں نے مختلف معاہد اور مدارس اور تنظیمیں دیکھیں اُن اہم تنظیموں میں ان اہم اداروں میں یہ ندوۃ العلماء کا بھی ادارہ ہے۔ یہ ادارہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس میں عجیب روحانیت ہے یہاں وہ روحانیت محسوس ہوتی ہے جو مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس میں محسوس ہوتی ہے، اس قیام کے دوران سب سے زیادہ جو مجھے فائدہ ہوا وہ یہ کہ میں نے اہم مدارس دیکھے اہم علماء اور شخصیات سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے ایک مفصل جائزہ لیا اور ان سے استفادہ کیا، ان چند کلمات کے ساتھ میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں اور آپ کے لئے اور طلبہ کے لئے علماء کے اور یہاں کام کرنے والوں کے لئے سب کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔

دارالعلوم کے تعلیمی سال کے آغاز پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے طلبہ سے خطاب فرمایا اور ان کے یہاں کے آنے کا مقصد بتایا اور ان پر واضح کیا کہ اچھی نیت سے پڑھو گے تو برکت ہوگی اور اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

تقریر کی اہمیت کے پیش نظر اسکو الگ سے دیا جا رہا ہے۔ صفحہ ... پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا نے درس و تدریس کے موضوع پر تقاریر کیں جسے انشاء اللہ اگلے شمارہ میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

### حضرت مولانا حجاز میں

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء ۳۱ اگست کو براہ دہلی مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے، ان کے ہمراہ مولوی سلمان ندوی بھی ہیں حضرت مولانا اس سفر میں الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ کی مجلس اعلیٰ میں شرکت کریں گے اور رابطۃ العالم الاسلامی کے اجلاس میں بھی شریک ہوں گے۔ حضرت مولانا کا یہ سفر تقریباً ایک ماہ سے زائد کا ہوگا اور حج کے بعد واپسی ممکن ہے۔

### نئے تعلیمی سال کا آغاز

گذشتہ سال کی بہ نسبت اس سال نئے طلبہ بہت آئے ہیں، رواق سلیمانی، رواق اظہر، شبلی، رحمانی اور المعہد العالی کی جدید قیام گاہ میں رہائش کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ مجبور ہو کر طلبہ کو اطہر ہال میں عبوری طور پر رکھنا پڑا ہے اسی طرح درجات میں نشست کا مسئلہ پیش آیا ہے اور کشمکش کرکے اس کو حل کیا گیا ہے۔ اسی طرح مسجد ندوۃ العلماء جس میں ابتک توسیع کا کام چل رہا ہے جدید حصہ ابھی تک ناقابل استعمال ہے اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد کو نماز پنجگانہ دھوپ میں ادا کرنی پڑتی ہے۔ اس سال طلبہ کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ اگر توسیع مسجد کو جلد مکمل نہ کیا گیا تو موسم سرما میں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

بقیہ ص ۳

دو دن کے اندر ۵۵ مخالفین کی موت کی سزا نے مخالفین کو اس قسم کی کارروائیوں کے لئے مجبور کیا۔

مذکورہ بالا دھماکہ میں صدر اور وزیر اعظم کی موت اس فکر کی دین ہے جو آزادی کی رہنمائی کرنے والے لیڈروں نے پہلے دن دی تھی۔ اولاً وہ اس سے شاہ کے خلاف فائدہ اٹھاتے رہے اور بعد میں وہی حربہ ان کے لئے جان لیوا بنتا گیا اور جو بیان خمینی صاحب نے اسوقت دیا ہے اور جس انداز سے انھوں نے ڈھیل دیتے اور بے قابو ہونے اور بے گناہوں کو نہ پکڑنے پر زور دیا ہے اگر اسی قدم کو ابتدا ہی سے اٹھایا گیا ہوتا تو شاید ایران کو اس طرح کا ناقابل تلافی نقصان نہ پہنچتا، اور اسلامی انقلاب کا جو نعرہ خمینی نے بلند کیا تھا وہ صحیح راستہ سے نہ ہٹتا اور قوم صحیح راہ پر چلتی، اب کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ایرانی دانشور اپنے فکر و تخیل پر نظر ثانی کریں گے اور ملک و ملت کو ہلاکت و خونریزی سے نجات دلائیں گے اور خانہ جنگی میں پھنسے ایران کو امن و چین کی زندگی گذارنے کا موقع دیں گے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انقلاب کے بعد ہی عفو و درگذر سے کام لیا جاتا اور ملک کی تعمیر میں شاہ کے دور میں برسر اقتدار گروپ کی حمایت حاصل کی جاتی مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ انقلابی انتقامی کارروائی میں بدمست ہوگئے اور ابھی تک وہ اسی نشہ میں ڈوبے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے ملک خلفشار اور خانہ جنگی میں مبتلا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ برسر اقتدار طبقہ حُب علی کے جذبہ کے تحت اپنے بھائیوں کو ملک کی تعمیر کا موقع دے اور اب تک جو منفی رویہ اختیار کر رکھا ہے اس کو مثبت انداز سے شروع کرے اسی میں ایران کی نجات ہے، اسی میں ایرانی قوم کی زندگی ہے اور یہی ایرانی قوم کی صحیح اور اسی کو ہم صحیح معنی میں آزادی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ شاہ کے بعد سے ایران میں جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے سب اسلام کے نام پر ہو رہا ہے حالانکہ اس کا اسلام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کے پس پردہ اسلام کو بدنام کرنے کی کوئی گہری سازش کارفرما ہے جس کا آلۂ کار ایران کے قائدین آزادی بنائے گئے ہیں۔